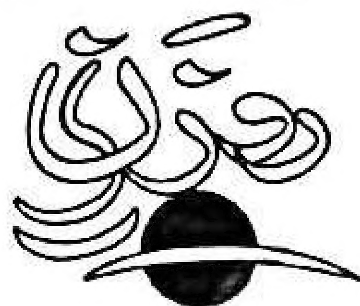
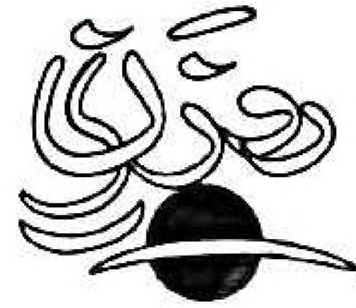
سُکھ کا دریا، دُکھ کا پھُول



سعدیہ عزیز آفریدی

ناولٹ



سعدیہ عزیز آفریدی



اس وقت وہ بہت مصروف تھی۔ آج ماحول سازگار تھا۔ دونوں بھابھیاں شاپنگ پر گئی ہوئی تھیں سو وہ مطمئن ہو کر کچن میں کسی لنچ کی تیاری میں مصروف تھی۔

"یہ خوش نصیبی ہمارے لیے تو نہیں ہو سکتی نا۔" جواد نے اسے تیز تیز پیاز کاٹتے دیکھ کر للچائی نظروں سے کباب کے آمیزے کو دیکھا۔

"صحیح سمجھے۔ آج یہ صرف جیا کے لیے ہے۔"

"اوہ تو جیا جی آرہی ہیں۔" اس نے چٹخارہ لیا۔ وہ بھی بہت گہرے دوست تھے۔ ہانیہ، جیا اور وہ۔ باقی دونوں بھائی ہانیہ سے چھ سال بڑے تھے۔ اس لیے اس کی جواد کے ساتھ خوب بنتی تھی۔ حقیقت میں وہ ان کی پیری سہیلی تھی۔

"کتنی دیر کے لیے آرہی ہیں جیا آپی۔" وہ دلچسپی سے وہاں کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا۔

"شام تک رہے گی۔ رات کا کھانا کھلا کر بھیجوں گی۔" کام کرتے کرتے ہاتھ روک کر اس نے حیرت سے کہا۔ "لیکن یہ تم کس خوشی میں یہاں تخت سنبھال کر بیٹھ گئے ہو؟"

"مجھے جیا آپی سے ملنا ہے۔ اس لیے آج ٹیوشن سینٹر نہیں جاؤں گا۔ جب سے افضل بھائی کی شادی ہوئی ہے وہ غائب سی ہو گئی ہیں۔ دونوں بھابھیوں سے ڈرتی ہو ہیں۔"

جواد پڑھائی میں بہت ماٹھا تھا لیکن ابا کی کوششوں سے بھولے بھٹکے ٹیوشن سینٹر چلا ہی جاتا تھا۔ ہانیہ اور جیا دونوں ہی اس کا مورال بلند کرتی رہتی تھیں۔

"اپنی اپنی قسمت۔ کیوں کسی پاکستانی ناکام ہیرو کی طرح خود کو انڈراسٹیمیٹ کرتا ہے۔" اور وہ ایسے ہر موقع پر کہتا۔

"میرے بچے آپ کا خواب پورا کر دیں گے۔ مجھ سے نہیں ہوتی پڑھائی۔ پہلے ہی دن آپ دونوں کی گود میں ڈال دوں گا۔ پھر آپ خود طے کیجیے گا اسے ارسطو بنانا ہے، سقراط بنانا ہے یا بوعلی سینا۔ ہڈیاں میری ماس آپ کا۔"

وہ دونوں بڑھتی نہیں تھیں۔ "آج کل اتنی اچھی بیویوں کی میکنگ بند ہو گئی ہے بیٹا! بچے کو گھور کے بھی دیکھ لو نا تو بھابھی صاحبہ کو پورا سیاق سباق بتانا پڑتا ہے ان کے بچے کی شان میں یہ گستاخی کیوں کی گئی تھی۔ چہ جائیکہ مار پیٹ۔۔۔ تو چاہتا ہے ہم تیری بیوی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر جائیں۔"

"بیوی آواز تو نکال کر دیکھے۔ دو لگاؤں گا۔ بچے کوئی اپنے میکے سے لائی ہو گی، جو اس کی یہ مجال ہونی ہے۔ میری اولاد ہے، میں چاہے ماروں، کاٹوں، پھینکوں، کچھ بھی کروں۔۔۔"

وہ دونوں خوب قہقہے لگا لگا کر ہنستیں مگر پھر صدیق بھائی، شازیہ بھابھی، افضل بھیا اور نعیمہ بھابھی یاد آجاتیں تو ان کی ہنسی کو بریک لگ جاتے۔

"بس کر دے۔ تیری آنے والی پرانی بھابھیوں سے کوئی اچھی تربیت نہیں لے گی۔ اس کا مجھے پتا ہے۔"



"آپ کہو تو دیوار چین اٹھا دوں گا ان کے اور اپنی بیوی کے بیچ۔"

جیا اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر بولی۔ "یہ جو بیوی ہوتی ہے نا' یہ برسوں کے پرانے رشتوں کو نئے سرے سے ایڈریس کرواتی ہے۔ بالکل بدل کر رکھ دیتی ہے اور اگر شوہر سر جھکانے کی عادت نہ ڈالے تو محبت کا تاج محل بنوا کر شوہر کو اس میں دفن بھی کر دیتی ہے۔"

"بس کریں۔ اتنا خطرناک نقشہ بھی نہ کھینچیں بیوی کا کہ میں رات کو خواب میں ڈرتا رہوں۔" اس نے مسکینی سی شکل بنائی تھی اور ہانیہ نے کان پکڑ لیا تھا۔

"بس کردے گا اتنا ہی تو معصوم بے بی ہے نا۔ دو' دو باجیوں کو بے وقوف بناتا ہے۔"

"بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی' اپیا! بے وقوف پیدا ہوتے ہیں' بنائے نہیں جاتے۔" وہ کہاں ہار ماننے والا تھا۔ وہ دونوں ہنس پڑیں۔ اپنی گودوں میں کھلایا بھائی اپنے قد سے اونچا ہونے لگے تو عجیب طرح کی خوشی' فخر سا پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی اس وقت وہ دونوں محسوس کر رہی تھیں۔ اس بات سے بے خبر کہ منجھلی بھابھی کچن کے سامنے رکھے کولر سے پانی پیتے ہوئے ان کی ساری باتیں سن کر جا چکی ہیں۔

ان تینوں کی میٹنگ کا یہ مخصوص وقت ہوتا تھا۔ وہ شام سات بجے گھر میں ہوتا تھا۔ جیا پرابر میں رہتی تھی سو کچن میں ان کی مکمل حکمرانی ہوتی تھی۔

ان دنوں تینوں کے اپنی اپنی عمروں کے نئے نئے تجربے تھے' سو تینوں ہی اپنے اردگرد سے بے خبر صرف اپنی زندگی میں مگن رہتے تھے' مگر رات کھانا کھا کر وہ برتن سمیٹ ہی رہی تھی' جب بالکل اچانک اس کی دس سالہ بھتیجی اسے بلانے چلی آئی۔

"بابا بلا رہے ہیں۔"

بابا بلا رہے ہیں۔ یہ ہمیشہ کسی ہنگامے کا اعلان ہوتا تھا۔ پندرہ سال میں اسے ان لائن حاضریوں کی عادت پڑ چکی تھی' سو وہ ہاتھ دھو کر دوپٹے سے خشک کرتے ہوئے بڑے بھیا کے کمرے میں چلی گئی۔ اماں سامنے ہی کرسی پر بیٹھی تھیں۔

"تو جھے اس سے یہ جواد کے دل میں شازیہ اور نعیمہ کے لیے کیوں زہر بھر رہی ہے۔ گھر کو گھر رہنے کیوں نہیں دیتی۔ ایک ہی بہن ہے' مگر کبھی کبھی سوچتا ہوں۔ اگر یہ ایک بھی نہ ہوتی تو گھر کا ماحول کتنا خوش گوار ہوتا۔"

اس کا ننھا سا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ لوگ تو بہنوں کی آرزوئیں کرتے ہیں اور یہاں ہر شخص اس کے وجود سے بے زار تھا۔

"تم نے جواد سے نعیمہ اور شازیہ کی برائی کیوں کی؟" اماں دونوں بھائیوں پہ جان دیتی تھیں۔ اس لیے اس کی کبھی جگہ ہی نہیں بن سکی تھی ان کے دل میں۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ بھابھی اپنے دل سے بات بنا رہی ہیں۔" وہ بھی ایک دم سے اچھل پڑی۔

"دیکھا آپ نے۔ اس کے دیدوں کا پانی کیسے مر گیا ہے۔ منہ پر جھوٹ بولنے لگی ہے۔ میں کہتی ہوں۔ ابھی کے ابھی اسے زنجیر ڈالیں' ورنہ ہاتھ سے بالکل نکل جائے گی۔ اس کا کالج جانا چھڑوا دیں۔"

"کیوں چھڑوا دیں۔ کیا میں آپ کے شوہر کی کمائی سے کالج پڑھ رہی ہوں؟"

"ہانیہ۔ بی ہیو یور سیلف!" منجھلے بھیا نے یکدم تیز آواز میں کہا۔ اسے لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔ تب ہی بابا کی کھنکھار سے بند ہوتے دل نے پھر سنبھالا لیا۔

"آخر یہ ہر روز مسائل کیوں کھڑے ہو جاتے ہیں گھر میں۔"

"اپنی چہیتی سے پوچھیے ابا! چھوٹے بڑے سے بات کرنے کی تمیز ہی نہیں ہے اسے۔"

"آپ چائے بنا دیں گی ہانیہ؟" ابا ہمیشہ اسے اتنی ہی عزت اور محبت سے پکارتے تھے۔

"جی ابا! ابھی لائی۔" وہ آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ابا نے سب پر طائرانہ نظر ڈالی۔

"آپ سب اپنی عمریں دیکھیں اور اس بچی کی عمر کا خیال کریں۔ ابھی وہ فرسٹ ایئر میں گئی ہے' زندگی کو جس انداز سے دیکھتی ہے۔ اسی انداز سے بول دیتی ہے۔ ابھی اسے آپ سب کی طرح سیاست نہیں آتی ہے' لیکن میں صرف ایک بات جانتا ہوں۔ ایک ہی شخص ہمیشہ غلط نہیں ہو سکتا۔ بقول شاعر اس کے دشمن ہیں بہت آدمی اچھا ہو گا۔ آپ لوگ بڑے ہیں تو بڑے ہونے کا فرض بھی نبھائیں کچھ بردباری کا مظاہرہ کریں۔"

نعیمہ بھابھی تو ابا کے سامنے ہی "ہونہہ" کرتی کمرے سے چلی گئی تھیں۔ اماں انہیں ناگواری سے دیکھ رہی تھیں' مگر وہ اثر لیے بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے' اماں بھی ان کے پیچھے پیچھے کمرے سے نکلی تھیں۔

"آپ کو اس طرح اس کا حوصلہ نہیں بڑھانا چاہیے تھا۔"

ابا نے عینک کی اوٹ سے دلچسپی سے اماں کو دیکھا۔ "کچھ بتائیے! ہانیہ ہماری اولاد ہے نا' کہیں سے اٹھائی ہوئی تو نہیں۔ میں تو باہر رہتا تھا۔ اس لیے آپ کے بیان کو بیان حلفی سمجھا ہے اب تک۔"

"کیا انٹ شنٹ بول رہے ہیں' پتا بھی ہے۔ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"آپ کی اپنی بچی سے پرخاش کی وجہ ڈھونڈ رہا تھا بس۔ آپ کا رویہ کبھی کبھی حیران کر جاتا ہے مجھے۔ مائیں تو اولاد کے لیے چھتر چھایا بن جاتی ہیں۔ خاص طور پر بیٹیوں کو سپورٹ کرنے کے لیے کبھی کبھی سچائی سے بھی منہ موڑ لیتی ہیں۔"

"ہاں' آپ جانتے ہیں' میں جھوٹ کو ناپسند کرتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر سچ کو سننے کا حوصلہ بھی رکھا کریں۔ لیکن ہمیشہ وہ تو نہیں ہو سکتا جو آپ کے بیٹے آپ کے گوش گزار کریں۔"

"ابا چائے۔" وہ جو باتیں سن رہی تھی اماں ابا کے درمیان چائے کو سیز فائر کے طور پر لے آئی۔ ابا نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"تم روئی ہو؟" ابا نے بے قرار ہو کر پوچھا۔ اماں نے کروٹ بدل لی۔ ابا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا' پھر محبت سے بولے۔

"میں بہت بڑے بڑے دعوے کرتا ہوں' نہ بہت بڑے بڑے دعوے کرنے والوں کو پسند کرتا ہوں' لیکن بس ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ ان آنکھوں میں آنسو اب تب ہی آنے چاہئیں' جب تمہارے ابا اس دنیا سے رخصت ہو جائیں۔"

"ابا۔!" ہانیہ نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "آپ کو میری عمر بھی لگ جائے ابا! آئندہ ایسی بات مت کیجیے گا۔"

ابا ہنس پڑے۔ "پھر آپ بھی آئندہ ان پیاری پیاری آنکھوں میں آنسو نہیں لائیں گی۔ یہ وعدہ کریں۔"

وہ مسکرا دی۔ "صرف آپ کی محبت ہی کا تو حوصلہ ہے ابا!"

ابا نے شوخی سے ہانیہ کو دیکھا۔ "اچھا۔ وہ جو جواد

ابھی تک تمہاری گوشمالی کے خوف سے جاگ رہا ہے۔ اس کا نام تک نہیں۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ چپ کرکے بیٹھی رہی۔

"ہر معاملہ جو ہمیں کبھی کبھی اپنے خلاف لگتا ہے حقیقت میں وہ ہمیں اپنے اندر اترنے' خود کو دریافت کرنے کا ایک راستہ دکھاتا ہے۔ دکھ برا ہوتا ہے نہ رویوں کی حوصلہ شکنی بری ہوتی ہے۔ ایک لمحے کو دل کو دھکا ضرور لگتا ہے۔ یہ فطری سی بات ہے' لیکن دوسرے لمحے سوچنا شروع کردینا چاہیے۔ پرابلم' نامساعد حالات صرف ان لوگوں کی زندگی میں آتے ہیں جنہیں اللہ عام کٹیگری سے ہٹ کر کسی مقام پر لے جانا چاہتا ہے۔"

"ابا! آپ نیگیٹو سے نیگیٹو حالات میں بھی امید کی کرن کیسے ڈھونڈ نکالتے ہیں۔"

"جو اللہ پر پورے دل سے یقین رکھتے ہیں' ان کے لیے نیگیٹو حالات کوئی معنی نہیں رکھتے' حالات جب بھی بگڑیں یہ ہی سوچو 'اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے' تم خود دیکھو گی تمہارے اندر ایک طاقت سی ابھرتی چلی جائے گی اور پہلے جن معاملات کو تم لاینحل سمجھ کر مایوس ہونے لگی تھیں' وہ تبدیل ہوسکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔"

وہ خالی چائے کا کپ لے کر اٹھ گئی اور ابا نے اماں کی پشت سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ سے زیادہ سمجھ دار ہے آپ کی بیٹی۔ بہت حساس ہے وہ آپ کو مجھے بلکہ ہر رشتے کو لے کر۔ بس آپ کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔"

اماں نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا اور دوسری صبح حیرت انگیز تھی۔ وہ کالج کے لیے تیزی سے کمرے سے نکل رہی تھی' جب شازیہ بھابھی کونے میں سے اچانک اس کے سامنے آگئیں۔ اس نے خود کو بہت مشکل سے روکا' لیکن شازیہ بھابھی کے ہاتھ سے ٹرے چھوٹ گئی۔ وہ شور مچانے لگیں۔ گرم چائے سے ان کے ہاتھ کی اوپری جلد سرخ ہو گئی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے صبح ہی صبح؟" بڑے بھیا غصے میں اٹھ کر آئے۔

"یہ سب کیا ہے شازیہ! مجھے آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے نا۔"

"اپنی بہن سے پوچھیے' یہی ٹکرائی ہے مجھ سے' شاید رات کی کمی کا بدلہ لیا ہے۔" چبا چبا کر کہتے ہوئے برتن اٹھانے لگیں۔

"تمہیں ہماری زندگیوں میں زہر گھولنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے کیا؟"

"نہیں تو بھیا! بھابھی خود ٹکرائی ہیں مجھ سے۔" وہ بس اتنا کہہ سکی۔

"وہ کیوں ٹکرائے گی پاگل ہو گیا' تم لڑائی کے بہانے تلاش کرتی ہو بس۔ پتا نہیں کون کون سے ڈرامے دیکھ کر پلاننگ کرتی رہتی ہو۔ ایک لمحہ سکون حرام ہے جو کبھی ملا ہو اس گھر میں۔" بڑے بھیا بکتے جھکتے ایسے ہی چلے گئے اور وہ ایک بار پھر لائن حاضر تھی۔

"تم روز روز یہ فضیحتے اٹھا کر تھکتی نہیں ہو ہانیہ؟" اماں سے بھی پہلے نعیمہ بھابھی نے اسکور لگایا۔

"آج میں کچھ نہیں بولوں گی۔" اس نے دل میں تہیہ کیا۔

"اب دیکھ رہی ہیں' کیسے دیوار کی طرح خاموش ہے۔ یہ چاہتی ہے' ہم سب چیخ چیخ کر پاگل ہو جائیں اور یہ پورے گھر پر راج کرے۔"

"اپنے گھر پر مجھے راج کرنے کے لیے ان مصنوعی واقعات کی ضرورت نہیں ہے بھابھی!" وہ تہیہ کیے بیٹھی تھی کہ نہیں بولنا' مگر جب سامنے والے مسلنے پر تل جائیں تو چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے۔ وہ تو پھر احساسات رکھنے والی لڑکی تھی۔

"تم کیا چاہتی ہو؟" شازیہ بھابھی نے دو ٹوک لہجہ اپنایا۔ جیسے اس کا کوئی بہت بڑا سیاسی ایجنڈا تھا جس کے تحت واقعات ترتیب دیتی تھی وہ۔

"سکون۔۔۔ میں سکون سے جینا چاہتی ہوں۔ مجھے کسی نمبر گیم میں شامل ہونے کا شوق نہیں ہے۔ نہ ہی راج پاٹ میرا دردِ سر ہے۔"

"اس کی زبان دیکھی ہے۔ کیسے چل رہی ہے۔ اب چچا کی پٹی پڑھائی ہوئی ہے' جس پر یہ چل رہی ہے۔" مجھلے بھیا نے ہانک لگائی اور امی چائے کا کپ لے کر اندر آگئیں۔ شور شرابا تو سنا تھا انہوں نے' لیکن وجہ کیا ہو سکتی ہے اس کا گمان تک نہیں تھا۔ وہ ٹیبلیٹ لے کر سوتی تھیں۔ سو جاگنے کے بعد بھی کافی دیر لگتی تھی ان کو ذہنی طور پر جاگنے میں۔

"ہوا کیا ہے۔ کوئی مجھے کچھ بتائے گا۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"یہ جان بوجھ کر شازیہ بھابھی سے کل رات کی بات کا بدلہ لینے کے لیے ان سے ٹکرائی۔ ناشتا کی ٹرے گر گئی۔ بھابھی کا ہاتھ الگ جلا اور صدیق بھائی لڑ جھگڑ کے آفس گئے' وہ الگ۔۔۔!"

"ہانیہ! تم ہر روز مجھے کٹہرے میں کیوں لا کر کھڑا کرتی ہو؟"

جملے تھے کہ تیر۔ اس کی آنکھوں میں اتنی جلدی آنسو کبھی نہیں آتے تھے' مگر آج آگئے تھے۔

"میرا کیا قصور ہے اماں؟" وہ دیوار سے ٹیک لگا کر سارے نامہربان رشتوں کو دیکھنے لگی تھی۔ اماں خاموشی سے اسے دیکھنے لگیں۔ حیرت تھی کہ آج اماں بھی خاموش تھیں۔ اور پھر یہ تیسرا دن تھا جب ابا نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔

"ہانیہ بیٹا! اپنا سامان پیک کریں' ہمیں اسلام آباد جانا ہے۔"

الماری میں کپڑے رکھتی اماں چونک اٹھیں۔

"اسلام آباد کیوں جانا ہے۔"

ابا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ "دو چار جوڑے میرے بھی پیک کردیں اگر آپ کی اماں کو فرصت نہ ملے تو۔"

"میں پوچھ رہی ہوں۔ اسلام آباد کیوں جانا ہے؟"

"میں نے وہاں کے کالج میں ہانیہ کا ایڈمیشن کروا دیا ہے۔ اب یہ وہیں ہاسٹل میں رہے گی۔"

"ہاسٹل میں رہے گی۔۔۔ آپ کبھی کبھی دماغ [illegible] سوچتے۔" اماں کی توپوں کا رخ ابا کی [illegible]

"کیوں ہانیہ ہاسٹل میں کیوں نہیں رہ سکتی۔ صدیق اور افضل نے ہاسٹل میں رہ کر نہیں پڑھا کیا؟"

"صدیق اور افضل لڑکے تھے۔ آپ کو اندازہ بھی ہے' آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں سوچے سمجھے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتا اور بیٹی جیسی قیمتی دولت کے لیے میں بغیر سوچے سمجھے اسٹینڈ کبھی نہیں لوں گا۔ یہ آپ بھی جانتی ہیں۔"

"صدیق اور افضل بالکل نہیں مانیں گے۔"

ابا نے تکیے کو بیڈ پر زور سے پٹخا۔ "ہانیہ میری بیٹی ہے۔ اس کے لیے فیصلہ کرنے کا اختیار اور حق مجھے ہے۔ میں جو اچھا سمجھوں گا اس کے لیے کروں گا۔ مجھے کسی کے مشورے یا اعتراض کا خیال ہے نہ ضرورت۔"

اتنے غصے میں ہانیہ نے ابا کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے کان دبائے کپڑے پیک کرنے لگی اور ڈرائنگ روم سے بڑے بھیا کی غصے میں بھری آواز کمرے میں گھسنے لگی۔

"پتا نہیں ابا کو اس نے کیا گھول کے پلایا ہوا ہے۔ آنکھ بند کرکے اس کی باتوں پر چلتے ہیں۔ آپ کی یہ بیٹی ابا کا نام نہ اچھالے تو کہیے گا۔" دروازے پر دستک ہوئی۔

"مجھے آپ پر اتنا ہی اندھا اعتماد اور اعتبار ہے بیٹا! جتنا اس وقت صدیق کے لہجے میں غصے کی شدت ہے۔ سچ پوچھیں تو جب کوئی آپ کے خلاف بولتا ہے تو میری محبت آپ سے کچھ اور بڑھ جاتی ہے۔"

"کیوں بڑھ جاتی ہے ابا؟"

"اس لیے کہ میں نے بہت منتوں مرادوں کے بعد آپ کو پایا ہے۔ آپ کے آنے کے بعد ہمارے گھر میں روشنی ہوئی۔ خوشی نے دروازہ دیکھا۔"

"صرف آپ کو لگتا ہے میرا ہونا خوشی اور روشنی جیسا' ورنہ تو سب کو میں اماوس کی کالی رات لگتی ہوں۔"

ابا مسکرانے لگے۔ "اتنا بھی رنگ سانولا نہیں میری بیٹی کا کہ وہ خود کو اماوس کی کالی رات سمجھے۔"

"ابا! آپ بھی نا۔" اس نے مصنوعی چڑ کا مظاہرہ کیا کیونکہ اسے اپنے باقی بھائیوں سے دبتے ہوئے رنگ کا بھی اچھا خاصا کمپلیکس تھا۔

"شام سات بجے کی گاڑی ہے ہماری' تیار رہیے گا۔"

ابا کہہ کر چلے گئے اور وہ کتابوں سمیت ضروری سامان اکٹھا کرنے لگی۔ عجب سا لگ رہا تھا اپنی مرضی کے بغیر اپنا گھر چھوڑنا جیسے اچانک اسے سزا ملی ہو۔ وہ بیڈ پر بیٹھ کر رونے لگی۔ بس رونے پر ہی تو اختیار تھا اس کا۔



میں نے جب گھر میں آنکھ کھولی' اماں کو پانچ بیٹوں کے باوجود ناخوش دیکھا اور ان سے زیادہ ناخوش ابا جان رہتے تھے۔ چھوٹا تھا تو صرف دیکھتا تھا۔ بڑا ہو گیا تو ایک دن ابا سے جا کر پوچھ بھی بیٹھا۔ ابا جو دیوان غالب کھولے بیٹھے تھے یکدم آنکھیں مجھ پر ٹکا کر حیران ہو گئے۔

"آپ کو یہ سوال پوچھنے کی ضرورت کیوں ہوئی بیٹا۔"

"پتا نہیں ابا جان! لیکن گھر میں دنیاوی ہر طرح کی آسائش اولاد سمیت سب موجود ہے' لیکن ایک نامعلوم سی بے کلی' اک نامحسوس سی بدمزگی ہے آپ کے اور اماں جان کے بیچ۔"

"آپ اتنی باریک بینی سے ہمارا مشاہدہ کر رہے ہیں اور ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔ سی آئی اے جوائن کرلی ہے کیا؟" ابا جان نے شوخی میں میری بات ٹالنے کی کوشش کی' مگر میں ٹلا نہیں۔ بی کام کر رہا تھا۔ اچھا خاصا سمجھ دار ہو گیا تھا' سولاڈ سے ابا جان کے پاؤں پکڑ کے بیٹھ گیا۔

"بتایئے نا ابا جان! آپ دونوں ناخوش کیوں نظر آتے ہیں؟"

"ارے پاگل ہو گئے ہو۔ ہم ناخوش ہیں نہ ایک دوسرے سے دور۔ ارے بیگم! سنتی ہیں۔ یہ آپ کا پڑھا کو بیٹا کیا کیا فتوے لگا رہا ہے ہم دونوں پر۔"

اماں پہلی آواز پر بھاگی آئیں۔ ان کا خیال تھا ہم دونوں کے درمیان ہونے والا اختلاف آج کچھ سنجیدہ رخ اختیار کر گیا ہے' مگر مجھے ابا جان کے قدموں میں بیٹھا دیکھ کر انہوں نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ ڈرتے ہوئے کمرے تک آئی تھیں۔

"توبہ ہے جی۔ آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" اماں نے مسکراتے ہوئے ابا جان کو مخاطب کیا۔

"کیوں بھئی۔ آپ ہر وقت مجھ سے اتنا بدگمان کیوں رہتی ہیں کہ میں ہر وقت آپ کی اولاد سے الجھنے کے لیے ادھار کھائے بیٹھا رہتا ہوں۔"

مجھے معلوم تھا ابا جان بات کی سنجیدگی کو اپنی شوخی سے غائب کر دینا چاہتے ہیں' لیکن میں آج ٹھان کر آیا تھا کہ یہ معمہ حل کر کے رہنا ہے' سو ابا جان کی جگہ میرا رخ اماں جان کی طرف ہو گیا۔ میری باتیں سن کر اماں کے چہرے کا رنگ بھی فق ہو گیا۔ میرا اصرار بڑھا تو جھنجلا کر بولیں۔ "اپنے ابا جان سے پوچھو' مجھے نہیں پتا۔"

"بتایئے نا ابا جان! ایسی کیا بات ہے جو سب جانتے ہیں۔ بس میں نہیں جانتا۔"

"یہ بات کوئی بھی نہیں جانتا۔ کوئی ایسی قابل فخر بات نہیں جس کا ڈھنڈورا پیٹا جائے۔" ابا جان کا موڈ سخت خراب ہوا' مگر میں کہاں ہار ماننے والا تھا۔

"بتائیں نا۔"

"یار! جان کر کیا کرو گے' بلاوجہ دل برا ہو گا اور اپنے ساتھ دشمنی کرو گے۔ سب من جانب اللہ ہے' سو میں اب اسے تسلیم کر چکا ہوں۔ وہ بادشاہ ہے' وہ مالک ہے۔"

ابا جان ٹال گئے' مگر میں بھی تھا تو ان کا ہی بیٹا' اس راز کی کھوج میں لگ گیا اور پورے ایک سال کی کوشش کے بعد ایک سال خوردہ ڈائری برآمد کر ہی لی۔ یہ ابا جان کی خاص ڈائری تھی۔ ان کی رائٹنگ ٹیبل میں ہمیشہ لاک رہتی تھی' مگر اس دن ابا نے زمین کے کاغذات مجھ سے منگوائے تو میری نظروں سے راز

بھی ٹکرا گیا۔ میں نے اس وقت تو اپنی طبیعت میں کوئی اچھال پیدا نہیں ہونے دیا' مگر خاموشی سے اس دراز کی چابی بنوا ڈالی اور جب ابا جان زمینوں پر گئے ہوئے تھے' تب وہ ڈائری لے اڑا۔

باغ کا ایک پرسکون گوشہ اور ابا کی ڈائری میں نے تیز تیز سانسوں سے اسے کھولا اور پھر میری بینائی اس دکھ میں اترتی چلی گئی۔ ابا جان ٹھیک کہتے تھے' یہ ایک خاموش آگ تھی' جس میں وہ انسان پورا کا پورا جل جاتا تھا جو اس راز کو اپنے سینے سے گزر گاہ دیتا تھا۔ میں نے پڑھنا شروع کر دیا تھا۔



"ہمارے خاندان میں تین بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں۔ دو کو بیاہا جا چکا تھا۔ ایک رہتی تھی اور وہ چار بھائیوں میں سب سے زیادہ لاڈلی تھیں۔ سب کا یہی ماننا تھا کہ بیٹیوں سے محبت کرنے کی وجہ سے ہمارے گھر میں روپیہ پیسہ کی ریل پیل اور شان تھی' مگر بڑے بھیا بہت جذباتی اور فوری فیصلے لینے والے انسان تھے۔ جس وقت کسی کام کی انہیں سنک چڑھ جاتی پھر پوری دنیا بھی مل کر انہیں اس سے روک نہیں سکتی تھی۔ وہ سب سے چھوٹی بہن سے بہت محبت کرتے تھے۔ بہت حساس تھے اور کبھی کبھی ان کی بیوی اس وجہ سے ان سے جیلسی فیل کرتیں' وہ چاہتی تھیں ان کی جلد سے جلد شادی ہو جائے تاکہ ان کے شوہر کی پوری توجہ انہیں مل سکے۔ ان کی ساس دبے لفظوں میں انہیں اس عمل سے روک چکی تھیں کیونکہ وہ اکثر اوقات جھوٹی سچی باتیں لگا کر دونوں بہن بھائیوں میں بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش کر چکی تھیں' مگر کبھی کامیاب نہ ہو سکیں۔ ان کے شوہر ہمیشہ ایسی ہر بات رد کرتے۔

کوئی بات نہیں' بچہ ہے۔ ابھی اگر اس کی کسی بات سے تمہارا دل دکھا ہے تو میں تم سے معافی مانگ لیتا ہوں' مگر تم جانتی ہو۔ میں اس سے کسی بات کے لیے باز پرس نہیں کر سکتا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو کا سایہ برداشت نہیں کر سکتا۔" اور بس۔ ان

کی بیوی کو یہی بات لگ گئی۔

انہوں نے کچن کے اوپری کام کے لیے ایک نیا لڑکا بھرتی کیا اور کھیل رچانے بیٹھ گئیں۔ اب اکثر اوقات جان جان کر وہ ایسے مواقع پیدا کرتیں کہ ضمیر بھائی، عائشہ اور اس ملازم کو ایک ساتھ دیکھ پاتے۔ ان کی نظر میں وہ بچی تھیں۔ اس لیے ان مواقع سے بھی ان کے اندر کوئی اچھال پیدا نہیں ہو رہا تھا کہ ایک دن وہ کچن میں کچھ اپنے لیے بنا رہی تھیں کہ دھوکے سے بھابھی بیگم نے اس ملازم کو اندر بھیج کر دروازہ بند کر دیا۔ شور پر سب جمع ہوئے اور حیران رہ گئے۔ دروازہ کھلا تھا اور عائشہ ابھی تک دروازہ بجا رہی تھیں۔ ضمیر بھیا نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور پہلی بار ان کے چہرے پر غصہ کی لالی کوندی۔

"دروازہ کھلا ہے پھر آپ ایسے دروازہ کیوں دھڑ دھڑا رہی ہیں اور یہ شامو کچن میں کیا کر رہا ہے؟"

عائشہ گم صم ہو گئیں۔ "بھیا! دروازہ باہر سے بند تھا۔ اگر کھلا ہوتا تو ہم شور کیوں مچاتے۔"

"تاکہ کوئی تم پر شک نہ کرے، من مرضی بھی کرو اور پاکیزہ ایسی رہو کہ فرشتے تمہارے دامن پر نماز پڑھیں۔" ان کی بیگم فوراً بولی تھیں۔

"فضول مت بولو رانی۔" بھیا نے سب لوگوں کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر ان پر ہاتھ چھوڑ دیا، مگر بھابھی بیگم کو یہ تھپڑ اور بے عزتی اتنی زور سے نہیں لگی کیونکہ جو وہ کروانا چاہتی تھیں، کروا چکی تھیں۔ بدگمانی کا بیج تو بویا ہی تھا۔ یہ بھی احساس دلا دیا تھا بڑے بھیا کو کہ ان کی بہن اب بچہ نہیں رہی۔ ایک تیر سے دو شکار ہوئے تھے۔ اس منظر کے بعد وہ جو دکھاتیں، اس کو دیکھنے کا ان کا زاویہ الگ ہو جاتا۔ دوسرے وہ جلد سے جلد اب ان کا خود گھر بسانے کی جلدی کرتے اور تیسرا پہلو جو بعد میں کھلا، وہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنے نکھٹو اور بگڑے ہوئے بھائی کا رشتہ گھر میں ڈال دیا تھا کوئی اور موقع ہوتا تو ضمیر بھیا کبھی نہ مانتے، لیکن جیسے جیسے وہ کسی اچھے رشتے کی تگ و دو میں ناکام ہو رہے تھے ویسے ویسے وہ بیوی کے بھائی کے لیے نرم گوشہ دل میں بنائے جا رہے تھے۔

عائشہ ان کے بدلتے تیوروں سے گھبرا کر ان کے کمرے میں جا پہنچی تھیں۔

"بھیا! ہمیں ابھی شادی نہیں کرنی ہے۔"

"بہن گھر میں بٹھائے جانے والی چیز نہیں۔" روکھائی سے جواب دیا۔ عائشہ نے ڈرتے ڈرتے بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "آپ بہت بدل گئے ہیں بھیا؟"

انہوں نے آہستگی سے ہاتھ چھڑا لیا۔ "نہیں بدلا نہیں بس آنکھ بند کر کے چلنا چھوڑ دیا ہے۔"

"آپ جہاں چاہیں شادی کر دیں، لیکن ہماری پڑھائی پوری ہونے دیں۔" بہن نے التجا کی۔ بھائی نے مان لی، مگر بھابھی بیگم نے وہی کیا۔ اپنے بھائی سے کہہ کر کچھ اوچھے لڑکوں کو عائشہ کے پیچھے لگا دیا۔ عائشہ گھر سے بگھی میں جاتی تھیں پورے پردے میں، لیکن جب کوچوان کو روز ہی پرچے ملنے لگے تو ابا جان، اماں جان اور باقی گھر کے کسی فرد کی ضمیر بھیا کے آگے ایک نہ چلی۔

"میں نہیں مان سکتا۔ کیا ساری دنیا اس ایک لڑکی کو بدنام کرنے کی مہم پر لگی ہوئی ہے۔ کوئی تو اس کی بنیاد میں بھی ٹیڑھ ہے نا ابا جان!" عائشہ کو گھر بٹھا لیا گیا اور سخت گیر ضمیر بھیا نے بھابھی کے بھائی کو بلایا اور نکاح کی تاریخ طے کر دی۔

"قتل کر دیتے آپ اپنے ہاتھ سے تو اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی تکلیف آپ کے اس فیصلے سے ہوئی۔ پوری دنیا میں صرف عباس رہ گئے تھے آپ کی بہن کے لیے۔"

عائشہ سخت صدمے میں تھیں اور رخصتی کے وقت جو وہ چکرا کر گریں تو پھر اٹھ نہ سکیں۔ ضمیر بھیا سکتے کی حالت میں رہ گئے۔ بہن سے جتنی بدگمانی تھی، مگر ان کی موت کے بارے انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ بھابھی بیگم ہونق ہو گئیں۔ تب زارا بھابھی نے اپنے لب کھول دیے۔

"یہ سب سازش تھی رانی بھابھی کی۔ وہ آپ کی اور عائشہ کی محبت سے جیلس تھیں۔ عائشہ باجی معصوم اور پاکیزہ تھیں۔ میں اب چپ نہیں رہ سکتی۔ مجھے نہیں معلوم میرا اپنا انجام کیا ہوگا، لیکن میں حلفیہ بیان دیتی ہوں۔ یہ سب رانی بھابھی کی چال تھی۔ میں نے رانی بھابھی کو ہر ہر قدم پر روکا۔ کئی مواقع پر عائشہ کو بچانے کی کوشش کی، مگر رانی بھابھی آگ سے کھیل رہی تھیں اور یہی آگ گھر کو جلا کر راکھ کر گئی ہے۔"

ابا روئے جا رہے تھے اور امی جان کو پتا نہیں کیا ہوا۔ انہوں نے دامن پھیلا کر آسمان کی طرف دیکھ کے کہا۔

"نہ دے بیٹیاں ان کو جو سوہنے نبی کی سنت سمجھ کر بھی اپنی بیٹی سے محبت نہیں کرتے۔ مالک! اتنی ذلیل خوار ہو کر مرنے کے لیے پھر نہ دینا کسی کو بیٹی۔ یہ میری تم لوگوں کے لیے بددعا ہے۔"

سب اماں جان! کو چپ کرواتے رہے، لیکن قبولیت کی گھڑی تھی وہ۔ ضمیر بھیا نے کھڑے کھڑے بھابھی بیگم کو طلاق دے دی اور دیوانے ہو کر گھر سے نکل گئے۔ ابا جان کو جہاں سے خبر ملتی کہ ضمیر کو ادھر دیکھا ہے، "ضمیر کو ادھر دیکھا ہے۔" وہ بھاگے جاتے، مگر ضمیر بھیا دو چار دن گھر رہتے، پھر کسی دن چپکے سے چل پڑتے۔ چھوٹے بھیا بھی اپنی بیوی کو فارغ کرنا چاہتے تھے بلکہ باقی تینوں بھائی بھی اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہے تھے، مگر ابا جان نے انہیں روک لیا۔

"وہ مر گئی تھی تم سب پر۔ اگر اپنا گھر اجاڑو گے تو کیا وہ اس جہان میں خوش رہے گی۔ تم چاہتے ہو وہ وہاں بھی بے سکون رہے۔" سب نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا، مگر تعلقات میں ایک سرد مہری آ گئی تھی، دونوں بہنوں کی بیٹیاں بیاہ کر آتی رہیں، مگر بیٹیاں پھر کسی بھائی کے آنگن میں نہیں کھیلیں۔"

اماں چپ ہو گئی تھی اور میری آنکھیں تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ ماں کی بددعا سے میرے دل میں بچپن سے ہی میری خواہش شدت پکڑ گئی کہ میرے ہاں بیٹی ہو۔ میں نفل نمازوں میں دعائیں کرتا، معافیاں، سوہنے نبی کی سنت پوری کرنے کے لیے بیٹی مانگتا۔ "میں اسے ساری دنیا سے زیادہ عزیز رکھوں گا، جو مانگے گی دوں گا۔ جو چاہے گی کرے گی۔ جتنا پڑھنا چاہے گی پڑھاؤں گا، اگر شادی میں اپنی مرضی چاہے تو بھی انکار نہیں کروں گا۔"

دل ایک بیٹی کی چاہت سے بھر گیا تھا میرا پیالہ اپنی اس محبت کا زور سہہ نہیں پا رہا تھا۔ پھر میں باہر تھا جب مجھے پتا چلا میرے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ میں اور میری بے قراری۔ دل چاہتا تھا پنکھ لگ جائیں اور میں اڑ کر اپنے وطن لوٹ جاؤں، مگر کانٹریکٹ کے مطابق مجھے ابھی چھٹی نہیں مل سکتی تھی اس زمانے میں اتنی جدیدیت بھی نہیں تھی۔ میں بس بیوی سے ٹیلی فون پر اس کے متعلق باتیں کرتا رہتا میری بے قراری دیکھ کر ایک بار بیوی بولی۔

"شکر ہے میں نے اپنی بہن کی باتوں پر عمل نہیں کیا۔ وہ کہتی تھی، آئیڈیل فیملی ہے۔ چار بچے کافی ہیں۔ انہیں ہی پڑھاؤ لکھاؤ، اب پہلے جیسا تو مال متاع نہیں۔ کچھ پارٹیشن میں دے آئے۔ کچھ کلیم میں واپس نہ لے سکے۔ سو بس بچوں کو پڑھاؤ لکھاؤ مستقبل بناؤ۔ میں اس اولاد کے حق میں نہیں تھی بہت کوشش کی، مگر اس نے دنیا میں آنے کی ایسی ضد باندھی کہ پھر دنیا میں آ کر رہی۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ کو بیٹیاں اتنی پسند ہیں۔ مجھے تو لگتا تھا باقی سب کی طرح آپ بھی بس زبانی کلامی بیٹیوں کا دم بھرتے ہیں۔"

اس دن میرا دل یک بارگی دھڑکا تھا۔ اگر جو یہ ایسا کر گزرتیں اور وہ سب کامیاب ہو جاتا تو میری محبت، تمنا التجا کا کیا ہوتا۔

میں گھر آنے سے پہلے عمرہ کر کے آیا تھا اور پھر سارا دن میں ہوتا اور میری بیٹی ہانیہ۔ میں اسے واقعی شہزادیوں کی طرح رکھنا چاہتا تھا اور اس بات پر کبھی کبھی میری بیوی سے ٹھن بھی جاتی۔ اسے بیٹیاں اچھی نہیں لگتی تھیں کیونکہ وہ خود سات بہنیں تھیں اور ان کے باپ نے پیدا ہونے کے دن سے لے کر شادی تک انہیں بیٹی ہونے پر کبھی بخشا نہیں تھا۔

بیٹیاں پیدا کرنے کے جرم میں ان کی ماں بھی معتوب ٹھہری تھی' دوسری شادی کرنے کے اخراجات نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے ساری کمی اور نامساعد حالات کا ذمہ دار بھی بیوی کو سمجھ لیا تھا۔ یہ میری دعا اور لگن تھی کہ چار بھائی اللہ کی رحمت سے محروم تھے اور اللہ نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا۔

وقت اور حالات الگ تھے' لیکن ہانیہ بالکل اسی نگر پر لا کر کھڑی کردی گئی جہاں سے عائشہ نے زندگی کی بازی ہاری تھی' میں اپنی ہانیہ کے لیے ایسی کسی کہانی کی بھیتم ٹریک بنتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسی لیے میں نے اپنی جان پر جبر کرکے یہ فیصلہ لیا تھا۔ معاملہ بس اتنا تھا کہ وہ دونوں جذباتی طور پر خود کو ہانیہ سے کم تر سمجھتی تھیں۔ غیر محفوظ سمجھتی تھیں اس لیے انہوں نے ایک الگ گروپ بنالیا تھا۔ گھر کی سیاست تک اگر اس گروپ کی سرگرمیاں رہتیں تو شاید میں برداشت کرلیتا' لیکن اس کے داؤ پیچ کے اثرات میری راج دلاری تک پہنچنے لگے تھے۔ رحیمہ نے چلتے چلتے کہا بھی تھا۔

"بیٹی کے دیوانے ہیں' رہ لیں گے اس کے بغیر۔" میرے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا تھا۔

اور اس وقت وہ اپنی بیٹی کے ساتھ ٹرین میں بیٹھے تھے۔ انہیں پہلے لاہور اترنا تھا۔ پھر اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا۔



"میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی ابا!" نہیں جب دیکھ کر اس کا ڈر باہر آگیا تھا' وہ سمجھ رہی تھی شاید ابا کسی شریر بچے کی طرح اسے سزا کے طور پر ہاسٹل کی زندگی دینے جارہے ہیں۔

"میں نے کچھ لکھا ہے تمہارے لیے۔" ابا نے اسے ڈائریاں تھمائیں۔ وہ پڑھنے میں مگن تھی اور وہ اس کے لیے کھانے کے لیے کچھ لینے اتر گئے تھے۔

اسٹیشن کا کھانا اچھا نہیں تھا تب ہی انہوں نے صرف پھل خریدے تھے' مگر بھاؤ تاؤ کرنے میں ان کی ٹرین چھوٹ گئی تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح کسی اور ڈبے میں چڑھ گئے اور پھر جب ایک اسٹیشن پر گاڑی رکی تو بمشکل اپنے ڈبے تک پہنچے۔

ہانیہ ڈائری کو یوں بھینچے بیٹھی تھی جیسے وہ ڈائری نہیں' پورے کے پورے ابا تھے۔ اس کے چہرے پر ملال تھا' مگر خوف زدہ نہیں تھی وہ۔

حادثے کبھی کبھی ہمیں ایسے تبدیل کرجاتے ہیں کہ شاید اتنی تیزی سے ساری دنیا بھی مل کر ہمیں نہیں بدل سکتی۔

"آپ سمجھ رہی تھیں' میں آپ کو بیر کھلانے کے بہانے لے گیا اور جنگل میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گیا۔"

اس نے ابا کی طرف دیکھا اور یقین سے بولی۔

"آپ کی جگہ کوئی بھائی ہوتا تو شاید میں ایسا سوچتی' لیکن یہ آپ تھے' آپ کی محبت پر تو مجھے آنکھ بند کرکے یقین ہے ابا! مجھے معلوم ہے ساری دنیا بھی مجھے چھوڑ دے تو بھی آپ میری پشت پر کھڑے ہوں گے۔"

"میری محبت پر اس قدر یقین رکھنے کا شکریہ بیٹا!"

وہ اس کے قریب بیٹھ گئے۔ "میرے غائب ہوتے ہی آپ کی سینس نے کیا مشورہ دیا تھا۔"

وہ ہنس کر ابا کو دیکھ کے بولی۔ "میں نے بیگ میں سے ڈائری نکالی۔ اس میں سب کے فون نمبر لکھے تھے کہاں سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔ کون کس حد تک ساتھ دے سکتا ہے۔ بہت سارے لوگوں میں سے ان دو' چار لوگوں کو ان کی پرانی کارکردگی پر الگ کیا۔ لاہور میں جو آپ انکل مشرف صہبائی کو مجھ سے خط لکھواتے تھے۔ ان کا ایڈریس اور فون نمبر نکالا اور سب سے آخر میں جواد نے جو پیسے زبردستی بیگ میں رکھے تھے۔ اس کا حساب لگایا کہ اگر کچھ بھی نہ ہوسکا تو واپسی کا ٹکٹ کرواسکوں گی کہ نہیں۔"

ابا قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ "اتنی ہی ذہانت سے رہنا ہے تم نے وہاں۔ میں جو تمہیں سمجھا نہیں سکا تھا وہ تم اس ایک لمحے میں سمجھ گئی ہو۔ یعنی مشکل حالات کا مقابلہ کرسکتی ہے میری بیٹی۔"

"نہیں ابا! آپ کی بیٹی بس بہادر لگتی ہے۔"

نہیں۔ میری ساری طاقت صرف آپ سے ہے۔"

ابا کچھ نہیں بولے اور حسب پروگرام اس کا ایڈمشن کروا کے اسے ہاسٹل شفٹ کروا آئے اور نعمان غوری کے ذمے یہ لگادیا کہ ہر ویک اینڈ کو اسے گھر لے آئے۔ تاکہ وہاں بچی مضبوطی محسوس کرے۔ جو بچے گھر نہیں جاتے۔ وہ اندر سے جذباتی طور پر بہت زیادہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتے ہیں۔

نعمان غوری نے سرہلا کر بات کو بہت گہرائی سے تسلیم کرلیا تھا۔ ابا واپس لوٹ آئے تھے مگر گھر میں سب ہی ان کے اس فیصلے سے برگشتہ تھے۔ بس جواد تھا' جو ان کے ساتھ ساتھ چلتا ساری تفصیل لیتا رہا تھا۔

"تو کھی بیٹی پل رہی ہے۔ جب یہی بیٹی سر جھکا دے گی تو معلوم ہوگا ابا کو کہ بیٹیوں کو سر چڑھانے کا کیا نقصان ہوتا ہے۔" صدیق بھائی نے تبصرہ جاری کیا مگر ابا نے سنی ان سنی کردی۔

"کیسے رہیں گے آپ اس کے بغیر؟" اماں۔۔۔ ابا کی چپ سے ہراساں ہورہی تھیں۔

"رہ لوں گا' مجھے رہنا ہی پڑے گا بیگم! بچوں کو اچھا مستقبل دینے کے لیے سینے پر پتھر رکھنا ہی پڑتا ہے۔"

مگر یہ سچ تھا۔ ابا کا تو پہلا دن اپنی بیٹی کے بغیر نہیں گزر رہا تھا۔ ٹرین میں بھی سارے راستے ان کی آنکھیں بھیگتی آئی تھیں۔ ہر اسٹیشن پر دل ہانک لگاتا۔

"مت جاؤ۔" وہ اپنی سیٹ سے اٹھتے اور پھر بیٹھ جاتے۔

بیٹی کی محبت نے واقعی پاگل کردیا۔ اولاد بڑا امتحان سہی مگر بیٹی کی محبت کسوٹی کی طرح ہے۔ ادھر چوک ہوئی ادھر کوئی بڑا گڑھا منہ کھولے نگلنے کو تیار۔ پل صراط تھا یہ۔ جہاں ابا کو بھی اپنی محبت کو ثابت کرنا تھا اور ہانیہ کو بھی ثابت کرنا تھا کہ اس کے باپ نے جو اس پر یقین کیا' وہ غلط نہیں تھا۔



وہ اس وقت ہراساں بیٹھی تھی۔ ہانیہ کے جاتے ہی جیسے وہ بھری دنیا میں اکیلی ہوگئی تھی۔ ابا سے سب سے پہلے باقاعدہ لڑائی اس نے ہی تو کی تھی۔

"کون سا بدلہ نکالا ہے ابا جی! مجھ سے۔ میری تو دنیا میں ایک ہی دوست تھی' آپ نے وہ بھی چھین لی۔"

ابا پریشان ہو کر لال بھبھوکا سی جیا کو دیکھ کر لفظ جوڑنا بھول گئے تھے کہ ہانیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"او جیا کی بچی! میرے ابا کو اکیلے دیکھ کر ڈرانے آگئی ہے انہیں۔ پتا ہے نا' بے چارے سے ہیں تیرے آگے ایک لفظ نہیں بولیں گے۔"

"ہاں تو بولیں نا' ایک نہیں دس لفظ بولیں۔ مگر میرے سوال کا جواب دیں۔ میری بات ابھی تک جواب طلب ہے۔"

ابا اپنی آرام کرسی پر بیٹھ گئے اور جو کتاب انہوں نے پڑھنے کے لیے ریک سے نکالی تھی۔ وہ انہوں نے تپائی پر رکھ دی تھی' پھر نرمی سے کہا۔

"تمہاری رائے میرے بارے میں کیا ہے بیٹا!"

اب ہونق ہونے کی باری جیا کی تھی۔ "اس سوال کا مطلب ابا جی!"

"جواب دو تو بتاتا ہوں۔" ابا رسان سے بولے۔

"میری رائے میں۔۔۔ میں نے بچپن سے لے کر آپ کو اب تک جتنا دیکھا ہے' سمجھا ہے۔ اس کے حساب سے آپ ایک سمجھ دار اور رہائی سے ٹوٹ کر پیار کرنے والے ابا ہیں۔"

انہوں نے عینک صاف کرکے آنکھوں پر لگائی۔

"جب آپ کی رائے میرے بارے میں اتنی اچھی ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے۔ میں کوئی ایسا فیصلہ لوں گا' جو میری بیٹی کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ رہی آپ سے دوری تو اچھے دوستوں کے بہتر مستقبل کے لیے کچھ زہر کے گھونٹ پینے بھی پڑیں' جدائی کے تو پی لینے چاہئیں' دیکھیے گا جب فارماسیوٹیکل میں ڈگری لے کر آئیں گی تو آپ کا ہی سر فخر سے بلند ہوگا کہ آپ کی دوست کتنے اعلا مقام پر ہے۔"

اور بس پھر جیا نے سرہلا کر اس جدائی کو اِن لو سی دے دیا تھا۔ لیکن آج محض دوسرا دن ہی تھا اور وہ اکیلے پن سے پاگل ہوگئی تھی۔

ان کے ہاں لڑکیوں کو پڑھانے کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ وہ صرف مڈل پاس تھی لیکن ہانیہ کے ساتھ رہ رہ کر ہانیہ کی کتابوں کو پڑھتی رہتی تھی۔ اس کے دو بھائی تھے۔ دونوں فیکٹری میں کام کرتے تھے۔ ابا نہیں تھے۔ اماں ہر وقت بیمار رہتی تھیں۔ دونوں بھائی شادی شدہ تھے۔ اس لیے گھر میں گزر اوقات بہت مشکل سے ہوتی تھی۔ جیا گھر کے کاموں میں ایک ملازمہ کی طرح لگی رہتی تھی۔ سو جب وہ ہانیہ کے گھر جاتی اور اتنا پیارا پروٹوکول ملتا تو اسے لگتا وہ کسی فیری لینڈ میں آگئی ہے۔ اس کے اپنے گھر میں تو ہمیشہ اسے تیسرے درجے کا شہری بنا کر رکھا گیا تھا۔ کبھی کبھی یہی سب کچھ اس کے اندر غصہ اور احساس کمتری پیدا کر دیتا تھا۔ لیکن وہ مایوسی کی باتیں ہانیہ کے سامنے کرتی تو وہ اس سے لڑ پڑتی۔ اس کا خیال تھا۔

"دنیا اچھی جگہ نہیں ہے۔ اسے ہم اپنے عمل سے اچھا بنا کر اس میں رہ سکتے ہیں۔ اگر ہم ساری ذمہ داری دوسرے کے اعمال پر چھوڑ دیں تو خود ہمارا نامۂ اعمال "سم نیکسٹ مسنگ" کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ غم نہ کیا کرو، ہم بس در کر ہیں اور ہمیں اپنی زندگی کو پل صراط سمجھ کر گزارنا ہے ــ جہاں ایک چوک ہمیں گرا سکتی ہے۔"

وہ کبھی تو یہ بات مان لیتی کبھی انکار کر دیتی، کیوں کہ اس کی زندگی میں کچھ بھی اچھا نہیں تھا۔ اب وہ ہانیہ کے گھر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ اس کے آنے جانے کو بھابھی اور اماں پسند ہی کب کرتی تھیں۔ پھر جواد ان سے چھوٹا ہی سہی۔ مگر اب اس کا قد اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ اس سے کسی بھی قسم کا تعلق اس کے لیے قابل اعتراض صورت حال پیدا کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی وہ دیواروں سے باتیں کرنے پر مجبور کر دی گئی تھی۔ موبائل صرف بھابھی کے زیر استعمال تھا۔ کسی سے رابطہ کرنا ہوتا تو بھابھی سے موبائل مانگنا پڑتا تھا۔ ایک سے دو دفعہ مانگ لینے پر کہانیاں بن جاتی تھیں۔

"تم نے لسٹ نہیں دیکھی۔ کس کے میسجز تھے، کس کا نمبر تھا؟" بھائی کھوج لگانے کو کہتا اور چھوٹی بھابھی کہتی۔

"ہانیہ بی بی کے ساتھ رہ رہ کر بہت چالاک ہو گئی ہے۔ سب کچھ ڈیلیٹ کر کے تھماتی ہے موبائل۔"

"مت دینا اب موبائل۔" حکم صادر ہوا اور یوں ہانیہ سے رہا سہا تعلق بھی ختم ہو گیا۔ گھر میں ایک ریڈیو تھا۔ جس پر وہ گانے سنتی رہتی اس پر بھی اعتراض ہوا۔

پھر یکدم اس کی زندگی میں ایک کھڑکی کھلی۔ گھر سے اکتائی ہوئی اکیلے پن سے پریشان ہو کر وہ اس کی طرف ملتفت ہو گئی۔ وہ لڑکا اس کے بھائی کی ورکشاپ میں کام کرتا تھا اور روز بھابھی سے دوپہر کا کھانا لے کر جاتا تھا۔ وہ چھپ چھپ کر اسے دیکھتی مسکاتی رہتی۔ آہستہ آہستہ بہانے سے باہر بھی ملنے چلی گئی۔ سیل فون بھی مل گیا۔ باتیں بھی ہونے لگیں۔ اماں بیمار رہتی تھی۔

ایک دن وہ ہانیہ کے گھر گئی۔ جواد سیڑھیوں سے پھسل گیا تھا۔ سب نے ہی اسے دیکھ کر منہ بنایا تھا۔ مگر وہ پاگلوں کی طرح اس کے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"جیا آپا ــ" جواد اسے دیکھ کر رو پڑا تھا۔ ڈیل ڈول ہی میں بڑھ رہا تھا۔ اندر سے ابھی تک وہ دس سال کا جواد ہی تھا۔

"میں پتا نہیں دوبارہ چل سکوں گا کہ نہیں۔" اس نے جیا کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"پاگل ہو گئے ہو۔ معمولی سا فریکچر ہے۔ جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے دیکھ لینا۔"

"ہانیہ آپی کا فون بھی نہیں آیا۔ بہت مصروف ہوتی ہیں شاید۔" وہ شکوے کرنے بیٹھ گیا۔

"پھسل کر چوٹ لگے تو بہت درد ہوتا ہے نا جواد ــ" "پتا نہیں ابا اچانک کہاں سے چلے آئے تھے۔"

"ظاہر ہے ابا! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

ابا سر ہلا کر بیٹھ گئے۔ ہانیہ کا ذکر چلا اور ابا کی محبت امنڈ آئی۔

"میں جانتا ہوں میری بیٹی کتنی بہادر اور کتنی سمجھ دار ہے اور جب بیٹیاں سمجھ دار ہو جائیں، تو ماں باپ کی ان سے امیدیں بڑھ جاتی ہیں اور بحیثیت باپ کے میں ہمیشہ یہی چاہوں گا۔ میری بیٹی میری عزت کا غرور بن کر رہے۔"

جیا کی آنکھوں میں پتا نہیں کیوں نمی آگئی تھی اور ابا نے بالکل اچانک اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"میں نے تمہیں ہمیشہ ہانیہ کی طرح اپنی بیٹی سمجھا ہے۔ تم بھی میری عزت کا غرور ہو۔ میری ذات کا سب سے مضبوط حوالہ ہو۔ جب آپ کو لگتا ہو آپ مطمئن ہوں مسرور ہوں۔ ایک سیکنڈ کی بھی بھول چوک کا اندیشہ نہ ہو تو پھر گر جانا ایسا ہی جیسے ہینڈ گرنیڈ کی پن غلطی سے نکل جائے۔ حادثہ کیسا بھی ہو زندگی کو اوپر سے لے کر نیچے تک بدل دیتا ہے۔"

وہ جو سمجھانے آئے تھے، سمجھا کے چلے گئے تھے جیا اسے سوپ پلا کر پھر آنے کا کہہ کر گھر واپس آگئی۔ اس نے موبائل سے سم نکالی۔ بکسے میں رکھ کر تالا لگایا اور اس سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اتنا تو وہ بھی جانتی تھی کہ ان نکموں میں تیل ہے کہ محض کھیل ہے لفظوں کا۔

* * *

زندگی پرسکون ہو گئی تھی کہ اس کا رشتہ آگیا۔ ان کی طرح کا لوئر کلاس سے تعلق رکھتا تھا۔ دونوں بھائیوں نے ٹھونک بجا کر معلومات کی اور ایک ہفتہ کا ٹائم دیا۔

"ایک ہفتہ؟ کیا ہو گا اس میں ــ" چھوٹی دلہن نے سوال اٹھایا۔

بڑے بھائی نے پیسے نکال کر ہتھیلی پر رکھ دیے۔ "جو کچھ ہو سکتا ہے کر لو۔ وہ کون سا کوٹھی بنگلے میں جا رہی ہے۔ ہمارے جیسے ہی غریب لوگ ہیں وہ۔ کھلیں ہوتا تو الٹا ان کی جیب خالی کروانی پڑتی۔ پر نسلوں سے یہاں آباد ہیں۔ یہاں کے طور طریقوں پر بیٹی بیاہنی پڑے گی۔ ہمارے ملک میں ہمارا کون بیٹھا ہے۔ یہ بڑی پریشانی ذات قبیلے والوں کو ہوتی ہے۔"

مجھلی دلہن نے پیسے اٹھا کر رکھ لیے۔ چھوٹی دلہن شہری ہی تھی۔ اس لیے خریداری کے معاملے میں سب اسی پر انحصار کرتے تھے۔ بڑی دلہن بالکل اجڈ گنوار تھی۔ پندرہ سال کی تھی۔ جب اس گھر میں آئی تھی۔ اب پینتیس سال کی ہو گئی تھی لیکن چال ڈھال، حلیہ، لہجہ، زبان کچھ نہیں بدل سکی تھی۔ دوسری طرف جیا تھی۔ جب سے اپنی شادی کا سنا تھا۔ اسے صرف ایک غم کھائے جاتا تھا کہ ہانیہ اس کی شادی میں شریک نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ جو تاریخ اس کی رکھی گئی تھی۔ اسی تاریخ میں ہانیہ کے سمسٹر تھے۔ جواد نے اسے بتایا تھا۔

جب سے شادی کی بات طے ہوئی تھی۔ وہ اب بے دھڑک جواد سے موبائل لے کر ہانیہ سے بات کر لیتی تھی ڈرائنگ روم میں تاکہ آتی جاتی بھابیوں کے کان میں بھی آواز پڑتی رہے اور وہ اپنی طرف سے کوئی کہانی نہ بنا سکیں۔



"میں نے زندگی میں جو کچھ اچھا دیکھا۔ وہ ہانیہ سے دوستی کے بعد دیکھا۔ میں دو سال کی تھی، جب بابا حادثاتی طور پر مر گئے۔ پھر میری ماں بیمار ہو گئی اور گھر کا انتظام سنبھالنے کے لیے بڑا بھائی اپنی بیوی لے آیا۔ گھر ایک دم سے گاؤں بن گیا تھا۔ میری بھابھی کو صفائی ستھرائی کا کوئی ڈھنگ نہیں تھا۔ کوئی تصور ہی نہیں گھر گرہستی کا۔ اس کے ذہن میں بس تین وقت کا کھانا پکانا، کھانا کھانا اور شوہر کو خوش کرنا اور بچے پیدا کرنے کے سوا زندگی کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ ہم کئی نسلوں سے شہر میں رہتے آرہے تھے۔ آہستہ آہستہ ہماری خاندانی رکھ رکھاؤ میں بہت زیادہ تبدیلی آگئی تھی۔ میری ماں مڈل پاس تھی۔ جب میرے بابا زندہ تھے۔ گھر ایک دم دھلا دھلایا، چمکتا ہوا سا رہتا تھا۔ میری سمجھ بہت چھوٹی سہی مگر میں نے اپنی ماں کو ہمیشہ صاف ستھرا اور مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر بابا مر گئے تو ایک دم سے ماں بھی مر گئی۔ میرا دم گھٹتا تھا اس ماحول میں۔ جب تک میں چھوٹی تھی، بھابھی کا ماں کے ساتھ ناروا

سلوک دیکھتی اور کڑھتی مگر پھر اپنی ماں کی ذمہ داری میں نے اپنے سر لے لی۔

پھر ہانیہ سے ملاقات ہوئی تو زندگی میں ایک بڑی تبدیلی آگئی۔ جواد ملا اور زندگی قہقہہ خوشی میں ڈھل گئی۔ میری اور ہانیہ کی ڈریسنگ میں زمین آسمان کا فرق ہوتا تھا۔ کبھی کبھی مجھے اپنے کپڑوں پر شرمندگی بھی ہوتی تھی۔ وہی پرانے نیلے آتشی رنگ کے کپڑے۔ ہانیہ نے کئی بار میرے کپڑوں پر بات کی مگر چپ رہ گئی۔ پھر ایک دن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جب بہت اچانک بڑی بھابھی نے بہت سارے کپڑے میرے سامنے لا کر رکھ دیے۔

"ہانیہ کے پرانے کپڑے ہیں۔ اگر تم پہننا چاہو۔"

میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

سارے کپڑے بالکل نئے جیسے تھے۔ مگر پھر بھی میں کوئی بھیک منگی تو نہیں تھی۔ نہ ہی میری آنکھوں نے کبھی ہانیہ کے کپڑوں کو ایسے للچائی نظروں سے دیکھا تھا۔ پھر بھابھی نے آسمان سے اٹھا کر مجھے نیچے کیوں پٹخ دیا تھا۔

ہانیہ کا چہرہ مجھ سے بھی زیادہ فق ہو گیا تھا۔ کتنی دیر تک وہ اپنے کمرے میں رکھے گل دان کو دیکھتی رہی۔ پھر ایک دم تیزی سے اٹھی۔ وہ غصے میں تھی۔ میں اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ وہ اپنے ابا جان کے سامنے کھڑی تھی۔

"وہ میری دوست ہے ابا جان! آپ جانتے ہیں نا دوست کا کیا درجہ ہوتا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عام مسلمان کے لیے بھی یہ حکم دیا ہے۔ اگر مقدور ہو کچھ دینا تو وہ دو جو تم خود کھاتے ہو' وہ پہناؤ جو خود پہنتے ہو مگر بھابھی نے میری اترن کیوں جیا کے سامنے رکھی۔ انہوں نے جیا کے لیے سوچا۔ مجھے اچھا لگا لیکن کاش وہ جیا کے لیے میری نظر اور میرے دل سے سوچتیں۔"

بابا نے اسے اپنے قریب بلایا اور والٹ نکالا۔

"شازیہ کے رویہ کی میں آپ سے معافی مانگتا ہوں ہانی! مگر آپ کی سوچ جان کر مجھے ازحد خوشی ہوئی۔"

انہوں نے اس کی ٹھوڑی اٹھائی اور مسکرا کے بولے۔

"اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو کبھی آپ کو پتا بھی نہیں چلتا۔ آپ جیا کے لیے کتنی حساس اور کتنی کیئرنگ ہیں۔ نہ ہی آپ غلط کو غلط کہتی میرے سامنے آتیں۔ زندگی ان ہی چھوٹے چھوٹے واقعات سے ہمیں بڑی بڑی باتیں سکھاتی ہے۔"

ہانیہ مسکرانے لگی تھی۔ میں پلٹنے لگی تھی۔ جب اس کے ابا نے والٹ نکالا اور ہزار ہزار کے پانچ نوٹ ہانیہ کی طرف بڑھا دیے۔ "آپ جو چاہیں اپنی دوست کے لیے اپنی مرضی سے خرید لیجیے گا۔ ان کپڑوں کو رہنے دیں' وہ میں آپ کی امی کو کہوں گا ماسی کو دے دیں۔ ان کی بیٹی آپ کے ہی برابر ہے۔"

ہانیہ باہر آگئی۔ مجھے دیکھا اور میرے گلے لگ گئی۔ اس دن اس نے میرے لیے بہت شاپنگ کی۔ کپڑے اپنے ہی ٹیلر کو دیے۔

میرے اندر ایک دم سے اپنی ذات کی عزت کا احساس پارے کی طرح دوڑنے لگا۔ اس دن ہم دونوں نے کچن میں مل کر شام کا کھانا بنایا۔ مگر میں اس دن کھانا کھائے بغیر اٹھ گئی۔ ماں کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی۔ انہیں اسپتال میں داخل کروانا پڑا۔ میں ماں کے ساتھ تھی مگر اس دن میں نے عزت نفس کو پہلی بار اپنے اندر آنکھیں مل کر جاگتے دیکھا۔ میں نے اپنی زندگی کے لیے ہانیہ جیسا نہیں' لیکن ایک ایسے جیون ساتھی کا خواب دیکھا جو مجھے باعزت زندگی دے سکے بھلے ہم بہت دولت مند نہ ہوں' لیکن معاشرے میں اتنے بھی بے وقعت نہ ہوں کہ کوئی بھی چاہے' ہمیں ٹھوکر مار کر چلا جائے۔ ہماری بے عزتی کرنا اپنی شان سمجھے اور جب میں ان ہی معاملات میں الجھی ہوئی تھی۔

نادر میری زندگی میں آیا۔ مزدور اور محنت کش انسان تھا۔ مجھے یہی لگا تھا کہ وہ وقت کی روٹی عزت سے مجھے کھلا سکے گا مگر دو سے چار بار کی بات چیت سے اندازہ ہو گیا۔ وہ گھر بسانے کا کوئی خیال نہیں رکھتا۔

شاید میں اندر کی گھٹن اور تنہائی سے اس چور راستے کو قبول بھی کر لیتی لیکن ابا کی بات سن کر یکدم میرے دل کو کچھ ہوا۔ مجھے لگا میرے بابا' ہانیہ 'ابا کے روپ میں میرے سامنے بیٹھے ہیں اور ایک ہی بات کہہ رہے ہیں۔

"زمانے کو خود پر کبھی ہنسنے نہ دینا' لوگ ہنس کر چپ ہو جاتے ہیں' بے عزتی کے اس واقعہ کو شاید بھول بھی جاتے ہیں۔ لیکن یہ ہنسی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انسان کا اعتماد' امید' بھروسا چرا کے لے جاتی ہے۔ مت چلنا ایسی راہ' جس پر چل کر لوگ تیرے مرے ہوئے باپ کی قبر کی طرف منہ کر کے طعنے دیں کہ یہ ہے تیری بیٹی' ایسی ہوتی ہے بیٹی۔ میں گھر آ گئی لیکن۔۔۔

اب میں اکیلی بیٹھی ہوں اور میری قسمت کا فیصلہ ہو چکا۔ دس دن بعد زندگی پتا نہیں کیسے اور کس پیرائے میں گزرے گی۔ میرے لیے زندگی صرف ایک دھند ہے۔ ایک گہری عمیق دھند۔

☼ ☼ ☼

"ماں! ہر اتوار کو جب میں سوچتا ہوں پورے ہفتے کی نیند پوری کروں گا۔ یہ نائٹ میرز کہاں سے گھر میں داخل ہو جاتے ہیں۔"

وہ برا سا منہ بنا کر سیب کھا رہا تھا۔ ٹی وی آن تھا۔ وہ ابھی تک سلیپنگ سوٹ میں تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ آنکھوں میں نیند کا خمار ابھی تک باقی تھا۔ تب ہی اس نے امریکن کچن میں دوپہر کے کھانے کے لیے کھانا بناتی ماں کو مخاطب کیا۔

وہ صرف مسکرانے لگیں۔ نوڈلز کو انہوں نے ابھی ابھی ابلتے پانی میں ڈالا تھا۔ اس لیے ان کی توجہ اسی پر تھی۔

"ماں! مجھے کھانا کب ملے گا؟" پہلے جواب کا انتظار کیے بغیر دوسرا سوال کیا۔ اس کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ وہ رات کو دوستوں میں سٹرڈے نائٹ منا کر آیا تھا اور اب دوپہر کے دو بج رہے تھے۔

"کیا کھاؤ گے۔۔۔ بنا دیتی ہوں۔"

وہ کرنٹ لگنے کی کیفیت میں یکدم مڑا تھا۔ "کیا کھاؤ گے بنا دیتی ہوں۔۔۔ مطلب آپ نے ابھی تک کھانا بنانا شروع نہیں کیا۔"

"دراصل ہانیہ اور بلال چاہتے تھے کہ دوپہر کا کھانا ہلکا پھلکا ہو' صبح پراٹھے کھائے تھے تو ابھی میں صرف نوڈلز ود چکن بنا رہی تھی۔"

"مجھے نہیں کھانے یہ بدمزہ کھانے اور یہ ہانیہ کون ہوتی ہے۔ ہمارے گھر کا مینیو سیٹ کرنے والی۔"

وہ ایک دم سے چڑ گیا تھا۔ اسے ڈکٹیٹ کیے جانا بالکل پسند نہیں تھا۔ شروع سے اپنی مرضی کرتا آیا تھا۔ جو چاہتا تھا قسمت سمیٹ کر اس کے سامنے لا رکھتی تھی۔ پھر نہ کہنے کا کیا جواز۔ آخر اتنی بڑی کمپنی چلا رہا تھا۔ اپنے بابا کا بایاں ہاتھ تھا۔ گھر میں اس کے حکم چلنے کے لیے یہ بھی کافی تھا کہ وہ نعمان غوری کی پہلوٹھی کی اولاد تھا اور نعمان غوری کی آنکھوں کا تارا تھا۔

"ماں! کھانا بنا کہ نہیں۔ ہم دونوں ٹینس کھیل کھیل کے تھک چکے ہیں۔"

بلال اندر آیا۔ سفیان کو اس حلیے میں دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے سوال پوچھا۔ وہ نظرانداز کر گیا تو وہ اس کے پاس صوفے پر آ کر گر گیا۔

"کیوں برو! اتنا برا حلیہ' یہ پرانی فلموں کے غمگین ہیرو کیوں بنے ہوئے ہو؟"

"پلیز ڈونٹ بچ می' آئی ایم گڈ ایز۔"

ہانیہ جو فریج سے بوتل نکال کر پانی گلاس میں ڈال رہی تھی۔ یکدم اسے اچھو لگ گیا تھا۔

سفیان نے جلتی نظر سے ہانیہ کو دیکھا۔ "کیا مطلب ہوا اس ہنسنے کا؟"

ہانیہ نے سنبھل کے اسے دیکھا اور اب تک کی گنی چنی چند ملاقاتوں میں پہلی بار اسے غور سے دیکھا۔ چھ فٹ سے نکلتا قد' کسرتی جسم' بھری خمار آلود آنکھیں' سنہری گندمی رنگت وہ بلاشبہ ایک بھرپور مرد تھا۔ جس پر کوئی بھی لڑکی اپنا دل ہار سکتی تھی۔

"گم ہو گئیں۔۔۔ آپ بھی گم ہو گئیں' میرا بھائی؟ اتنا خوب صورت' لڑکیاں ان کا حسن دیکھ کر ایسے ہی گم ہو جاتی ہیں۔"

"واٹ نان سینس۔" وہ غصے میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کچن میں کام کرتی ماں گھبرا گئیں۔ "اب یہ کھانا بھی نہیں کھائے گا۔ ہانیہ تمہیں اس طرح ہنسنے کی کیا ضرورت تھی؟"

ہانیہ یکدم شرمندہ ہو گئی۔ "سوری آنٹی! وہ۔۔۔ مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ بالکل میرا لگ رہے تھے۔" وہ پھر ہنسی دبا گئی۔

"ماں! بول دیں اپنی دوست کی بیٹی کو۔۔۔ مجھ پر طنز کرنا چھوڑ دے۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

"آپ سے برا اب بھی کوئی نہیں ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑا کر باہر گارڈن میں چلی گئی۔ سفیان شاور لے کر ابھی ابھی باہر آیا تھا۔ تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے وہ کھڑکی میں جا کھڑا ہوا اس نے ہانیہ کو گلابوں کے تختے کے پاس دیکھا۔

"یہ کچھ کھسکی ہوئی ہے شاید؟"

"جی نہیں۔ ہانیہ آپی بہت اچھی ہیں۔" وہ تیزی سے مڑا۔ اس نے بظاہر خود سے کہا تھا مگر تیز آواز میں۔ غلطی یہ ہوا کہ بلال اسی وقت آ گیا تھا۔

"بہت زیادہ چمچے نہیں بن گئے ہو ہانیہ کے' کتنے پیسے دیتی ہے اپنی تعریفیں کرنے کے۔"

"ہانیہ آپی آل ریڈی پرفیکٹ ہیں۔ اس لیے مجھے ان کی مصنوعی تعریف نہیں کرنی پڑتی۔"

"اچھا۔۔۔ مگر تمہاری ہانیہ آپی ہی کہتی ہیں' کوئی انسان کبھی پرفیکٹ نہیں ہوتا۔" پچھلے ہفتے کا معرکہ دہرانے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ بس منہ سے پھسل گیا۔

"اس دن آپ جس طرح ملازم پر الٹ پڑے تھے اسے زدوکوب کیا تھا۔ اس لحاظ سے ہانیہ آپی کا کنسپٹ غلط نہیں تھا کہ کوئی انسان پرفیکٹ نہیں ہوتا بھول چوک کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔"

"بھول چوک۔۔۔ میرے لیپ ٹاپ پر اس خبیث نے جوس چھلکا دیا تھا۔ ایک سیکنڈ میں ساٹھ' ستر ہزار برباد کر دیے' یہ کوئی چھوٹی بات ہے۔" پرانی بات سوچ کر اسے نئے سرے سے غصہ آ گیا تھا۔

"آپ نے دوسرے ہفتے ہی نیا لیپ ٹاپ لے لیا تھا نا۔ مطلب ہم اسے افورڈ کر سکتے ہیں۔ جو چیز ہم افورڈ کر سکتے ہیں' یہ اللہ کا کرم ہے نا' جب وہ اللہ ہم پر اتنا رحم اور اتنا کرم کرتا ہے تو ہمیں بھی اس کے بندوں پر رحم کرنا چاہیے۔"

"صحبت ٹھیک کر لو اپنی' ورنہ یہ مدر ٹریسا تمہیں عبدالستار ایدھی بنا کر رکھ دے گی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں' میں نہ بدلنے کی ضد نہیں کرتا اور ہمیشہ ہونے والے حادثے پر سوچتا ہوں کہ اس کی وجہ سے ضرور میری زندگی میں کوئی بہتر تبدیلی پیدا ہو گی۔ بھلے وہ تبدیلی ہم پر ظاہر ہو یا نہ ہو یا کچھ عرصے بعد ظاہر ہو۔ کیونکہ ہانیہ آپی کہتی ہیں اللہ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔"

"یہ تیری ہانیہ آپی طالبان میں سے تو نہیں' اتنے کھلے فتوے۔۔۔ کسی دن اللہ اکبر کہہ کر پھٹ مت جانا۔"

بلال ہنس پڑا۔ "یہ آپ سب اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں سے ایک دم ڈر کیوں جاتے ہیں۔ رہا طالبانائزیشن۔۔۔ تو میرا ماننا ہے اور اس میں دو رائے نہیں کہ واقعی اللہ کو ماننے والا کبھی اللہ کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا اور یہ اللہ ہی کا حکم ہے کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان' مال' عزت سب کی حرمت لازم ہے۔ وہ مسلمان ہی نہیں' اگر اس کے ہاتھ' زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ نہیں۔"

سفیان مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ "ہانیہ بی بی اپنی فورس بنا رہی ہیں۔ کوئی بہت بڑا دھماکا تو نہیں ہونے والا میری زندگی میں۔"

اس نے ویسے ہی ایک بات کہہ دی تھی۔ مگر ایک ماہ بعد وہ حیران رہ گیا۔ جب بابا نے اس کے سامنے پروپوزل رکھ دیا۔

"ہانیہ کو ہم نے تمہارے لیے پسند کر لیا ہے۔"

"میری رائے کی کوئی اہمیت ہے کیا؟" وہ یکدم فائل پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔ "تمہاری ماں کہہ رہی تھیں کہ تم ہانیہ میں دلچسپی لے رہے ہو' اگر ہم یہ فیصلہ کریں تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"پتا نہیں ماں کو یہ سارے منظر کون سی عینک لگا کر نظر آئے۔" وہ ایک لمحے کو رکا۔ شرٹ کی آستین فولڈ کرنے لگا۔ یہ اس کے ذہنی دباؤ کی پہلی نشانی تھی۔ اس طرح کی حرکت سے وہ اپنا غصہ اور اپنی پریشانی کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر کے خود کو بات کرنے کے قابل بناتا تھا۔ وہ اس کے باپ تھے اور جانتے تھے اس کی عادتوں کو اس لیے پرسکون بیٹھے تھے۔

"بابا۔ اس نے بات کرنے کے لیے پر تولے اور اب وہ غیر جانب دار رائے دینے والا تھا۔ نعمان غوری اس کے اس انداز سے بھی واقف تھے۔ اس لیے ہمہ تن گوش تھے۔

"ہم جب اپنا جیون ساتھی چنتے ہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں کیا ڈفرنس ہے۔ تعلیمی معیار اور رویے کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں کہ یہ ہمارے قدم سے قدم ملا کر چل سکے گا کہ نہیں اور میں نے ہانیہ میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ اگر میں خوب صورتی کے معیار کو نچلے درجے پر لے آؤں تو بھی وہ کسی طور میرے ساتھ میچ نہیں کرتی۔ آپ پلیز اپنی دوستی کو مضبوط کرنے کے لیے کسی گھسی پٹی پرانی کہانی کی طرح مجھے قربان مت کریں اور دوسری بات ...... میں اپنا جیون ساتھی چن چکا ہوں۔ رائنہ مسرور' آپ مسرور بیگ سے تو اچھی طرح واقف ہیں۔"

بابا کو حیرت ہوئی۔ وہ آج تک اسے ایک ذہین اور سمجھ دار انسان سمجھتے تھے۔ مگر اب وہ اپنا خیال اس کے حوالے سے بدلنے جا رہے تھے۔

"زندگی میں' میں نے آج تک کسی کو اتنا بے وقوفانہ فیصلہ کرتے نہیں دیکھا سفیان! آسان زندگی کو مشکل کی طرف لے جا رہے ہو تم اس فیصلے سے۔"

"جو بھی ہو بابا! میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔" وہ کہہ کر رکا نہیں۔ ان کے چیمبر سے نکل دیا۔

اور نعمان غوری سوچ رہے تھے کہ اب اس معاملے کو کیسے سدھاریں۔ یہی پریشانی انہوں نے بیوی سے شیئر کی تھی اور دوسرے دن وہ سرہلاتا کھڑا تھا۔

"ٹھیک ہے' آپ کرلیں اپنی مرضی کا فیصلہ۔ میں دستبردار ہو جاتا ہوں۔"

"کیا کہہ کر منایا تم نے؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہے تھے رات میں۔ بیوی مسکراتے بولیں۔

"وہی پرانی فلموں والی ایموشنل بلیک میلنگ' مگر ایک غلطی ہو گئی۔"

"کیا۔" وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ان کی بیگم سے غلطی ہونے کا مطلب ہے کوئی سنجیدہ حماقت۔

"وہ تھوڑا سا سیچا تھا' پوری طرح نہیں مانا تھا تو میں نے کہا' بابا کی عزت کا مسئلہ ہے۔ ایک شادی ان کی مرضی سے کرلو۔ دوسری شادی اپنی مرضی سے کرلینا۔"

"توبہ! یہ آپ نے کیا کہہ دیا۔ اس معصوم لڑکی کا کیا بنے گا؟" انہوں نے چائے تپائی پر رکھ دی۔ وہ واقعی پریشان ہو گئے تھے۔

"وہ میرا بیٹا ہے۔ میں جانتی ہوں۔ کس حد تک جائے گا۔ ہانیہ اتنی لونگ اتنی کیئرنگ ہے۔ وہ دنوں میں اس کا گرویدہ ہو کر رائنہ کو بھول جائے گا۔ دوسری شادی کرنا معاشی طور پر مشکل نہ بھی ہو تو جذباتی طور پر' معاشرتی طور پر مشکل ہو جاتی ہے۔ نہ بھی ہو تو محسوس ضرور ہونے لگتی ہے۔ دو چار بچے ہو گئے تو رائنہ مکمل آؤٹ ہو جائے گی۔ آپ یقین رکھیں اللہ پر۔"

انہوں نے سر ہلایا اور یوں ایک شام ان دونوں کا نکاح کر دیا گیا۔

رخصتی ڈگری کے بعد ہونا طے پائی تھی۔ نکاح کی تقریب میں سارے لوگ موجود تھے۔ رائنہ بہت کینہ توز نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔ ہانیہ اپنے ابا' اماں' جواد اور جیا کے ساتھ مگن تھی۔ جیا کی [illegible] تھی۔ مگر وہ پھر بھی ضد کر کے آ گئی تھی۔ ہانیہ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ اس کا شوہر لیے [illegible] رہا تھا۔ مگر بہرحال یہ تقریب اختتام پذیر ہو گئی تھی۔

ابا نے اسلام آباد میں ایک گھر لے لیا تھا۔ کیونکہ تعلیم مکمل ہونے کے بعد کافی عرصے تک اسے یہیں رہنا تھا اور نکاح کے بعد وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ وہاں رہے اور گھر میں باقی لوگ باتیں بنائیں' کیونکہ اتنا اچھا جیون ساتھی مل جانے پر سب ہی منہ میں انگلیاں دبائے اور زبان پر دھار لگائے بیٹھے تھے۔

"کہنے کی بات ہے کہ ابا نے رشتہ طے کیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے ہانیہ جیسی لڑکی پھنچ بیٹھے۔ ضرور محبت کا چکر ہے اور مرد کتنا ہی کائیاں ہو' محبت کے معاملے میں مار کھا ہی جاتا ہے' بیٹھے بٹھائے کروڑ پتی کی بیوی بن گئی ہے۔"

ابا یہ سب رائے سن چکے تھے لیکن انہوں نے ان باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

گھر ملنا آسان کام نہیں تھا لیکن نعمان غوری کی سپورٹ اور ان کی کوشش کام آئی تھی۔ کرائے پر گھر مل گیا تھا۔ گو بہت زیادہ فرنشڈ نہیں تھا مگر رہنے کے حوالے سے بہت اچھی جگہ تھی۔ بلکہ ہانیہ کی تعلیم کے حوالے سے بہت سود مند رہی۔ ابا' اماں کے ساتھ یہیں شفٹ ہو گئے تھے۔ کوئی ملازمت تو تھی نہیں۔ اسٹیٹ ایجنسی کا کام تو کسی بھی جگہ شروع کیا جا سکتا تھا۔

"ابا! آپ میرے لیے کتنا کچھ کر رہے ہیں۔ میری آرزو ہے' میں آپ کو کچھ حد تک واپس بھی لوٹاؤں۔ میں شادی کے مقابلے میں جاب میں انٹرسٹ رکھتی ہوں تاکہ آپ کا مضبوط بازو بن سکوں۔"

وہ مسکرانے لگے' کتاب اٹھا کر رکھی۔ ہاتھ کے اشارے سے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور نرمی سے بولے۔ "آپ کو لگتا ہے ماں' باپ جو اولاد کو دیتے ہیں' وہ اولاد انہیں واپس لوٹا سکتی ہے۔ وہی سب کچھ جو ماں باپ بغیر کسی طمع اور لالچ کے انہیں دے چکے ہوں؟" وہ خاموش رہی۔

"وقت' جوانی' امنگیں' خواب' اپنی مرضی کی زندگی' اس میں سے اولاد ایک بھی چیز نہیں لوٹا سکتی۔ لیکن ہر ماں' باپ اپنی اولاد کی اسی طرح پرورش کرتے ہیں۔ کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی اولاد کو گرم ہوا کا تھپیڑا بھی نہ لگے اور جو ماں' باپ کم مائیگی کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتے۔ سوچتے تو وہ بھی اپنی اولاد کے لیے ایسا ہی ہیں۔ والدین اپنی اولاد کے لیے جو اچھا سوچنے میں ایک لمحہ لگاتے ہیں۔ اولاد اس ایک لمحہ کا قرض بھی نہیں چکا سکتی ہے۔"

انہوں نے ہانیہ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور جذب سے بولے۔ "میں نے آپ کے لیے جو کچھ کیا۔ یہ وہ سب نہیں ہے جو میں آپ کے لیے کرنا چاہتا تھا۔ مقدور بھر کوشش ہے۔ مگر اس لیے نہیں کہ آپ نوکری کرو اور مجھے ریٹرن کرو۔ بلکہ میں نے یہ اس لیے کیا کہ میرے سوہنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان ہے۔ اپنی بیٹیوں کو اچھی تعلیم دو' بیٹوں اور بیٹیوں میں کوئی فرق نہ رکھو۔ میں تو بس چاہتا ہوں اپنے سوہنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سامنے جاؤں تو کوئی تو کوئی زادِ راہ ہو میرے پاس۔ ان کی سنت کے لیے ہی بیٹیوں سے پیار کرنا کوئی سیکھ جائے۔ ایک سنت زندہ رکھنے کا اتنا اجر و ثواب ہے کہ دامن چھوٹا پڑ جائے' پر اجر نہ سمیٹے۔"

وہ بس ابا کو دیکھتی رہی۔ کتنی پریشانیوں سے گزرے ہیں وہ اس کے لیے۔ لیکن آج بھی ان کے دل میں اس کے لیے وہی ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ وہ خاموشی سے ان کا ہاتھ چوم کر اپنے کمرے میں اٹھ آئی۔

★ ★ ★

یہ اس کا آخری سمسٹر تھا۔ جب وہ رج کے سونے کا خیال کر کے لیٹی تھی اور اماں نے اسے ہڑبڑا کر اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"سفیان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

وہ سکتے کی کیفیت میں بس دیکھتی رہ گئی۔ فوراً اسپتال پہنچے۔ ایکسیڈنٹ بہت شدید تھا۔ سب کی

حالت غیر تھی۔ خدا خدا کرکے چھ گھنٹے بعد آپریشن تھیٹر کھلا۔ نیورو سرجن اپنی کارکردگی سے مطمئن تھا۔ لیکن پھر بھی بہت زیادہ پرامید نہیں تھا۔ گاڑی نے زبردست ہٹ کیا تھا۔ جب وہ رائنہ سے مل کر باہر اپنی گاڑی میں بیٹھنے والا تھا۔

ہانیہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ اس کی حالت تشویش ناک تھی مگر اسے بس صرف ایک جملہ سنائی دے رہا تھا۔ "اسے دوسری گاڑی نے ہٹ کیا جب وہ رائنہ سے مل کر اپنی گاڑی میں بیٹھنے والا تھا۔"

وہ رائنہ کے گھر کیوں گیا تھا۔ سفیان غوری پر صرف اس کا حق تھا۔ پھر وہ رائنہ سے کس حق سے ملنے گیا۔ اس سے نکاح کے بعد جب وہ صرف اس کی امانت تھی تو وہ ہانیہ رفیق الزماں کی امانت میں خیانت کیوں کر رہا تھا۔

ابا نے اس کے اندر کی تبدیلی کو نوٹ کر لیا تھا۔ "دعا کرو وہ پورا کا پورا سفیان تمہیں واپس پلٹائے۔"

وہ اس وقت اس قدر شاکڈ تھی کہ اس نے سوچے سمجھے بغیر ہی دعا کی تھی۔ مگر بعد میں سوچا ابا نے اس کی محبت کے متعلق اتنی انوکھی دعا کیوں بتائی تھی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے ابا سے پوچھ بھی لیا۔ وہ بس مسکرائے گئے۔ پھر آہستگی سے بولے۔

"جب بھی کوئی حادثہ ہو' اپنے اوسان بحال رکھو اور سوچو اور کیا کیا برا تھا' جو اس وقت تمہارے ساتھ ہو سکتا تھا۔ تمہیں خود بخود وہ تکلیف چھوٹی لگنے لگے گی۔ کوئی بھی واقعہ یا حادثہ رب العزت کی حکمت سے خالی نہیں۔ کچھ چیزوں کے رزلٹ ہمیں فوراً مل جاتے ہیں۔ کچھ کے کچھ عرصے بعد اور دوسری بات بات اشفاق صاحب کہتے ہیں۔ کوئی بھی دکھ ہو' تکلیف ہو' صرف ایک واقعہ سمجھو' پوری زندگی نہیں۔ وہ جانتا ہے۔ ہم نہیں جانتے تب ہی شکوے کرتے ہیں۔"

وہ چپ رہ گئی اور پھر ایک ہفتے بعد مختلف ٹیسٹوں سے پتا چلا سفیان کی ریڑھ کی ہڈی میں گڑبڑ ہو گئی ہے جو آپریشن کے باوجود آہستہ آہستہ ہی ٹھیک ہو پائے گی۔ فزیو تھراپی سمیت بہت سارے بکھیڑے تھے۔ وہ بمشکل اٹھ کے بیٹھ پاتا تھا۔

"میں اب چل نہیں سکتا۔" سفیان غوری نے کھڑکی سے طلوع ہوتے سورج کو دیکھ کر برملا خود کو مسترد کر دیا اور تب ہی وہ لڑکی کمرے میں داخل ہوئی تھی جو محبت کی طاقت پر یقین رکھتی تھی۔

"دنیا میں ایسا کوئی کام نہیں' جو سفیان غوری نہیں کر سکتا۔" یہ پہلا مربوط جملہ تھا' جو اس نے ادا کیا تھا۔

سفیان غوری نے اسے طنز سے دیکھا تھا۔ "شاید تم اس طرح کے کرمی جملے اس لیے بول سکتی ہو کہ میں بستر پر اپاہج لیٹا ہوں اور تم زندگی سے بھرپور ہو کر میرے اور سورج کے درمیان آن کھڑی ہوئی ہو۔"

وہ مسکرائی تھی۔ "میں سورج کے درمیان نہیں کھڑی اس کی کرنوں کے سامنے موجود ہوں۔ اس لیے کہ آپ سورج کو دیکھیں تو شاید مجھ پر بھی نظر کر دیں۔"

وہ عزت نفس کو وقتی طور پر سلا کر گئی تھی کیونکہ سامنے بیٹھا شخص مایوسی کے اس مقام پر تھا کہ اس سے جھگڑا کرکے اسے نہیں جیتا جا سکتا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔" وہ لال انگارہ آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"مگر میں آپ کے ساتھ ہی رہنا چاہوں گی۔"

"جھوٹ مت بولو' کوئی بھی امنگوں سے بھری لڑکی ایک اپاہج مرد کے ساتھ کبھی جینا نہیں چاہتی۔"

"شاید ایسا بھی ہو لیکن آپ میرے شوہر ہیں اور مجھے آپ کے دکھ سکھ شیئر کرکے ہی اپنی زندگی کو خوشیوں امنگوں سے بھرپور بنانا ہے۔"

"ترس۔۔۔ ترس مت کھاؤ مجھ پر۔" اس بار اس نے گلاس زمین پر پھینک کر توڑ ڈالا۔ ہانیہ جانتی تھی' اندر سے اس گلاس کے مانند ہی ریزہ ریزہ ہو چکا ہے۔ پورا ایک ماہ ہو گیا تھا مگر رائنہ نے نہ اسے فون کیا نہ ملنے آئی تھی۔ حادثے کے بعد جو وہ اسے ایمرجنسی میں لے کر آئی تھی' سفیان کی ڈوبتی آنکھوں نے اس کے بعد اس کا عکس نہیں دیکھا تھا۔

ہانیہ سادہ سے طریقے سے رخصت کر دی گئی تھی۔

بس گھر کے لوگ شریک تھے اور ثوبیہ اس کی دن رات کی کلفتیں دیکھ دیکھ کے عش عش کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ وہ اپنا تعلیمی سلسلہ جاری نہیں رکھ سکی تھی وہ اچھی بیوی ہونے کی ذمہ داری بخوبی نبھا رہی تھی۔ کبھی کبھی تھک جاتی تو نماز میں گلے شکوؤں پر اتر آتی لیکن ابا یاد آتے تو پھر سے حوصلہ کرکے سفیان کے پاس چلی جاتی۔

سفیان اگر نارمل حالت میں ہوتا تو اسے تیسرے درجے کے شہری کی طرح شاید قبول کر لیتا لیکن یہاں وہ اس کی چھڑی کی طرح ہو گئی تھی اور اس جیسا نک چڑھا شخص یہ بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ اس کا محتاج ہو چکا ہے' اس لیے وہ اس کی ہر کوشش کو درخور اعتنا نہ سمجھتا تھا۔ اسے بستر پر لیٹا لیٹا بھی گھن چکر بنائے رکھتا مگر وہ ان باتوں کی عادی ہو گئی تھی۔



جیا کی بیٹی چھ سال کی ہو گئی تھی۔ مگر اس کی ضدی عادت کی وجہ سے وہ بہت پریشان تھی۔ اس کا شوہر غریب مزدور تھا' فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ وہ ایک کمرے کے گھر میں رہتے تھے۔ بمشکل گزارہ ہوتا تھا مگر وہ بچی تھی اس کی فرمائشوں کی لسٹ بہت لمبی ہوتی تھی۔ ہانیہ کی طرف سے ملنے والے تحائف نے اس کی عادتیں اور بھی بگاڑ دی تھیں۔ وہ اکثر ہانیہ سے اپنی بیٹی کی شکایتیں کرتی رہتی تھی۔

"وہ سمجھتی ہے میں اس سے محبت نہیں کرتی۔ میں اس کا خیال نہیں رکھتی۔" ہانیہ اسے دیکھتی رہی پھر بے ساختہ اس نے کہا۔

"تو پھر تو اس پر سختی کر تاکہ اسے پتا چل جائے کہ تو اس سے کتنی محبت کرتی ہے۔"

"کہتی ہوں اس سے۔ گنواتی ہوں۔ جہاں جہاں اس کا خیال رکھا مگر وہ مانتی نہیں' کہتی ہے یہ تو سب کرتے ہیں۔ میں اسے اپنی محبت جتا جتا کر بھی تھک گئی ہوں۔"

اس بار ہانیہ آئی تو وہ اس کے پاس ہی آ گئی تھی ہانیہ اور ابا کو کچھ پراپرٹی کے کاغذات ایک ساتھ سائن کرنے تھے۔ بابا نے اپنی زندگی میں ہی جائیداد کی تقسیم کر دی تاکہ ان کے گھر میں مزید سیاسی داؤ پیچ نہ کھیلے جائیں۔ واحد اپنا گھر تھا جو انہوں نے اپنے استعمال میں رکھا تھا' ہانیہ نے اس وقت ٹی وی آن کر رکھا تھا۔ جیا بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی' اس کے چہرے پر حالات نے ایک سخت لکیر کھینچ دی تھی۔ یکدم "گرفتاری" شو شروع ہو گیا' اس میں لوگ گرفتار ہوتے تھے مختلف جرائم میں۔ ایک عورت کھڑی تھی بہت غریب سی' بے چاری سی۔

"گھر کے حالات ٹھیک نہیں تھے۔ میرے شوہر نے زیادہ پیسے کمانے کے لیے یہ پلان بنایا۔ ہم لوگوں کو مختلف جگہوں پر بلاتے اور میرا شوہر اپنے دو تین دوستوں کے ساتھ مل کر انہیں لوٹ لیتا۔ میں مانتی ہوں میں مجرم ہوں۔ مجھے سزا ملنی چاہیے۔ مگر آپ میرے شوہر کو بھی تو گرفتار کریں' وہ تو ماسٹر مائنڈ ہے۔ اس نے ساری دنیا کی طرح مجھے بھی لوٹ لیا میں اس سے کم از کم اس چیز کی توقع نہیں رکھتی تھی۔"

جیا اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ "ہم میں سے ننانوے فیصد لوگ ساری توقعات انسانوں سے باندھ لیتے ہیں۔ اور انسان کی مٹی میں نہ وفا ہے نہ خیر۔ جو اچھا ہوتا ہے ہماری زندگی میں اسے اپنی ذہانت اور محنت تصور کرتے ہیں اور جو غلط ہو اس کا سارا بوجھ دوسرے پر ڈال دیتے ہیں' لیکن سوچنے کی یہ ضرورت ہے کیا واقعی وہ بہت بری زندگی جی رہی تھی' ایک کمرے کا سہی اس کا گھر تھا وہ تین وقت کھانا کھاتے تھے۔ اس کی ایک بیٹی تھی اور اس کا شوہر اس کی عزت کے لیے جان دے بھی سکتا تھا جان لے بھی سکتا تھا' تو کیا وہ واقعی ایک تکلیف دہ زندگی جی رہی تھی' کبھی خوش ہو کر یہ نہیں کہتے کہ ہمارا ایک عضو ٹھیک کام کر رہا ہے۔ ہمیں اللہ نے مکمل بنایا ہے مگر دکھ بیماری پر چیخ پڑتے ہیں جبکہ سچ یہ ہے کہ دنیا میں زندگی سمیت ہر چیز فانی ہے۔"

ہانیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ "اسے اسکول میں داخل کروانا ہے۔"

جیا نے مسکرا کے دل میں کہا۔ "ہاں ایک شکریہ بھی لازم ہے کہ اس کا شوہر بچی کو پڑھانے کے خلاف نہیں۔ تعلیم کے لیے اس کے اندر بھی وہی جنون ہے جو خود اس میں کبھی کبھی اپنی تعلیمی کم مائیگی کی وجہ سے زور مارتا ہے۔"

"ہاں جلد اسے اسکول میں داخل کروں گی۔"

"اخراجات کی فکر مت کرنا۔ جتنا پڑھنا چاہتی ہے پڑھنے دینا۔"

اس نے دل کو مسکراتے دیکھا۔ "ایک شکر تو یہ بھی بنتا ہے کہ اس کی اتنی مخلص دوست ہے پوری دنیا میں بھلے ایک ہی سہی مگر ہے۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی اور وہ گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"واپس کب جاؤ گی؟" اس نے گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔

"کل صبح کی ٹرین سے۔"

"جہاز سے کیوں نہیں۔" اس نے ایک سوال کیا۔

"بس ابا کو ٹرین کا سفر بہت پسند ہے۔" وہ سر ہلا کر الوداعی مل کر اپنی بچی کے ساتھ اپنے گھر کی سمت چل پڑی۔

☆ ☆ ☆

میں سفیان غوری۔ مجھ جیسا مغرور کوئی شخص نہیں تھا۔ زندگی میں میں نے جو کیا اپنی مرضی سے کیا' لیکن پھر ایک دن مجھے پتا چلا' در حقیقت زندگی میں سب کچھ وہ نہیں ہوتا جو ہمارے دل کی مرضی ہوتی ہے بلکہ وہی ہوتا ہے جو قدرت چاہتی ہے۔ وہ جب جہاں جو چاہے بدل دیتا ہے اور ہم انسان جب اپنی من مرضی کا بدلاؤ دیکھتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں ہم نے یہ مشکل معرکہ مار لیا اور جہاں ایک دم سے خیالات کی بساط لپیٹ دی جاتی ہے وہاں ہم چیخنے لگتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہی یہ ظلم کیوں ہوا۔

میں رائنہ کو بچپن سے جانتا تھا' وہ میری کہی ان کہی ہر بات سمجھتی تھی۔ اس لیے میں نے زندگی میں ایک پلان بنایا کہ گھر بسانے کا جب بھی موقع ملا تو رائنہ سے ہی اپنا تعلق جوڑوں گا' لیکن زندگی میں پہلی بار ٹھوکر اس وقت لگی جب اچانک ہانیہ میری زندگی میں داخل ہوئی۔ سانولے رنگ کی عام نقوش والی ایک عام سی لڑکی۔ ایسی لڑکیاں گاڑی کے اندر بیٹھے بیٹھے میں نے کئی بار دیکھیں اور ہمیشہ سوچا ان لڑکیوں سے کون شادی کرتا ہوگا۔ کوئی چارم' کوئی خوب صورتی نہیں۔ میں خوب صورتی کا عاشق تھا' اس لیے ہانیہ سے میں بھی متاثر نہیں ہوا' وہ اتوار کے اتوار ہمارے گھر آتی۔ پورا دن گھر میں اودھم مچا کر رکھتی۔ بلال اس کا معتقد تھا مگر میں اس سے بھاگتا تھا کیونکہ مجھے عام سی چیزیں اچھی نہیں لگتی تھیں۔

پھر پتا نہیں کیا ہوا' وہ دلہن بنا کر میرے برابر میں بٹھا دی گئی۔ نکاح کے بعد ایک ہی جملہ میری بے بسی کا طواف کرتا رہا۔

"ایسی لڑکیوں سے کون شادی کرتا ہے۔"

اور دوسرے دن میرے کمرے کی سائیڈ ٹیبل پر نکاح کی تصویر فریم کروا کر رکھوا دی گئی تاکہ میں خود کو ہر لمحے جواب دے سکوں کہ ایسی لڑکیوں سے کون شادی کرتا ہے۔ میں مجبور ہونے والے لوگوں میں سے نہیں تھا لیکن بس میں اپنے گھر میں بدمزگی' انتشار نہیں چاہتا تھا' اس لیے میں نے یہ نکاح کر لیا تھا۔ میرا خیال تھا میں نکاح کے بعد اسے اتنا تنگ کروں گا کہ وہ خود ہی مجھے چھوڑ جائے گی اور یہ مڈل کلاس لوگ۔ ان کے اندر عزت نفس بہت ہوتی ہے۔ میرا ہدف اس کی عزت نفس اور انا کو ہی دھکا لگاتے رہنا تھا' تاکہ وہ جان سکے وہ میرے ساتھ کہیں بھی میچ نہیں کرتی۔

میرا خیال تھا میں نکاح کے بعد رخصتی کو تھوڑا لمبا لے جاؤں گا تاکہ مجھے زیادہ وقت مل جائے اور یہ لڑکی خود میرا پیچھا چھوڑ دے' رائنہ میری اس پلاننگ کا حصہ تھی۔ وہ اور میں اکثر اسے احساس کمتری کا شکار کرتے رہتے مگر وہ پتا نہیں کس مٹی کی بنی تھی' ہمیشہ کھلی پیشانی سے ہم دونوں سے ملتی۔

رائنہ کا خیال تھا مڈل کلاس لوگ نکاح کے بعد رخصتی کے لیے فوراً" زور دیتے ہیں۔ بیٹیاں ان کے لیے عذاب کی طرح ہوتی ہیں جن کو وہ جلد سے جلد اپنے سر سے اتار کر پھینک دینا چاہتے ہیں مگر ہانیہ کے رویے سے کبھی نہیں لگا کہ وہ ان کے لیے عذاب کی طرح ہے۔

رائنہ اور میں اب بھی اپنی شادی شدہ زندگی کی پلاننگ اسی شدومد سے کر رہے تھے کہ ایک دم سے زندگی نے مجھے اوپر والے خانے سے اٹھا کر نیچے رکھ دیا۔ میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ اسپائنل کورڈ میں نقصان کی وجہ سے میں اپنا آدھا جسم ہلا بھی نہیں پا رہا تھا۔ میں سفیان غوری' جس کے ایک اشارے پر ہر کام ہو جاتا تھا۔ وہ ایک محتاج انسان بن گیا تھا اور وہی لڑکی اس کی مسیحائی کر رہی تھی۔ جس سے وہ دور بھاگتا تھا۔ مجھے رائنہ کا انتظار تھا۔ ہم باہر جا کر اسپائنل کورڈ کا آپریشن کروائیں گے۔ میں پھر سے اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں گا اور اسی طرح کی بہت سی باتیں۔۔۔ مگر میری بند ہوتی آنکھیں جو وعدہ اپنے آپ سے کرتیں دوسری صبح وہ میرے یقین کی طرح ٹوٹا بکھرا پڑا ہوتا۔

رائنہ نہ آتی تھی' نہ فون کرتی تھی۔ مجھے لگتا تھا' مجھے ہانیہ نے ہائی جیک کر لیا ہے۔ سب سمجھتے تھے۔ ہانیہ جیسا میرا خیال رکھتی ہے' کوئی اور نہیں رکھ سکتا اور یہی بات مجھے اور چڑا دیتی۔ ہانیہ کیا جانے کہ میں سفیان غوری زندگی سے کیا چاہتا ہوں' کیسی زندگی جینا چاہتا ہوں اور کس کے ساتھ۔۔۔ مگر میں غلط تھا۔ وہ جانتی تھی میں کیا چاہتا ہوں۔ ایک دن آنکھ کھلی تو رائنہ میرے سامنے بیٹھی تھی۔

"میں نہیں دیکھ سکتی تمہیں اس حالت میں۔۔۔"

"میرا ساتھ دو گی؟" میں نے پتا نہیں کیوں یہ سوال کیا۔

"تم خود سوچو' اس حالت میں میں تمہارا ساتھ کیسے دے سکتی ہوں۔ ماما پہلے ہی ہمارے رشتے کے خلاف تھیں' اب تو انہیں اور سولڈ ریزن مل گیا ہے۔"

"تو تم مجھے چھوڑ دو گی؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"نہیں۔ میں تمہیں چھوڑ نہیں رہی۔ ہمیشہ تم سے محبت کرتی رہوں گی لیکن بس تم سے شادی نہیں کر سکتی۔"

میں ہنس پڑا۔ میرا قہقہہ بہت بلند تھا۔ ہانیہ گھبرا کر کمرے میں داخل ہوئی۔ میں سنجیدہ تھا۔ رائنہ جا چکی تھی۔ اس نے میری طرف دوائیں بڑھائیں اور میں نے کہا۔

"تمہیں پتا ہے وہ ساری زندگی مجھ سے محبت کرتی رہے گی مگر مجھ سے شادی نہیں کرے گی۔"

ہانیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں چاہتا بھی یہی تھا کہ وہ روئے۔ وہ اس اذیت کو محسوس کرے جو رائنہ کے انکار سے میں نے محسوس کی ہے۔ میں بیڈ پر لیٹا تھا لیکن اس کی عزت نفس کو آج بھی ٹھوکر پر رکھا ہوا تھا۔ میں اذیت پسند ہو گیا تھا۔ میں اس کی محبت کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیتا مگر وہ بھی چالاک ہو گئی تھی۔ وہ جان گئی تھی میں ہر اس کام کو مسترد کر دیتا ہوں جس کو کرنے کے لیے وہ مجھے مشورہ دیتی ہے' سو وہ دوسرے طریقے سے مجھ سے ہر وہ کام کروا لیتی تھی جو عام حالات میں میں کبھی نہیں کر پاتا تھا۔ وہ مجھ جیسے ڈیل ڈول کے شخص کو وہیل چیئر پر بٹھا کر باغ میں لے جاتی تھی' وہ بظاہر ہواؤں سے مخاطب رہتی مگر اس کے لفظوں کی تاثیر میرے اندر اترتی رہتی۔ پھر ان ہی دنوں بلال کو نئی نئی پینٹنگ کا شوق چرایا۔ میں وہیں گارڈن میں موجود تھا۔ بلال مسلسل غلط اسٹروک لگا رہا تھا مگر میں نے ضد باندھ لی تھی کہ میں اس کی کوئی مدد نہیں کروں گا۔

لیکن پانچواں دن تھا جب وہ میری وہیل چیئر کو دھکیل کر کینوس کے قریب لے گیا۔

"بتائیں نا بھیا! اس تصویر کو کیسے ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔"

"مجھے کیا معلوم؟" میں نے کندھے اچکائے اور خود کو اس منظر سے غائب کر لیا اور تب ہی وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

”سفیان کو کیا معلوم پینٹنگ کیا ہوتی ہے۔ ان سے تو مارکیٹ کا اتار چڑھاؤ اور بزنس اپ ڈیٹس لو۔ تم بھی نا بلال ...غلط دروازہ کھٹکھٹا رہے ہو۔“ اتنا کھلا طنز میرے اندر پارہ سا دوڑنے لگا۔

”بھابھی! آپ کو نہیں پتا پاپا کے بزنس میں شامل ہونے سے پہلے بھیا بہت اچھی پینٹنگ کرتے رہے ہیں۔ سولو ایگزیبیشن' گروپ ایگزیبیشن' اتنی تصویریں بنائیں اتنے بڑے بڑے بین الاقوامی میگزین بھیا کا انٹرویو لینے آیا کرتے تھے۔ آپ جان ہی نہیں سکتیں بھیا کس قدر لائم لائٹ بے بی ہوا کرتے تھے۔“

وہ کچھ کہنے کے بجائے پھر ہنس پڑی۔ بے اعتباری والی ہنسی۔ جیسے بلال جھوٹ بول رہا ہے۔ مجھے ایک دم غصہ آگیا اور میں بلال کی تصویر ٹھیک کرنے لگا اور آدھے گھنٹے بعد جب اس ہیجانی کیفیت سے نکلا تو حیران رہ گیا میرے اندر ایک پینٹر آج بھی زندہ تھا' میں تو سمجھتا تھا' اب میں زندگی میں شاید ہی کوئی کام کر سکوں گا۔

یہ بالکل ایسا ہے جیسے پہلی طلاق دے کر رجوع کرنے کا روزن کھلا رہ گیا ہو۔ میں اب بلال کی مدد سے اپنے اسٹوڈیو میں جانے لگا تھا' نئے سرے سے رنگوں کی دنیا بس گئی تھی اور بیس دن بعد بلال کے ہاتھ میں ایک انویٹیشن دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

”یہ یقیناً“ تمہاری کارستانی ہے۔“

”نہیں تو بھیا! یہ سب بھابھی کی محنت ہے۔ وہ ہی کہتی تھیں مصور کے اندر کا مصور کبھی نہیں مر سکتا۔ رنگ ایک بار کسی کا دامن پکڑ لیں تو کبھی ساتھ نہیں چھوڑتے کھویا ہوا مصور آخر کار دوبارہ پرانے نشانات پر پیر دھرتا واپس خود کو دریافت کر ہی لیتا ہے۔“

وہ میرے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ مجھے غصہ نہیں آرہا تھا۔ مجھے اس کا طریقۂ واردات سمجھ میں آگیا۔ وہ شکل سے چالاک نہیں لگتی تھی مگر بہت شاطر لڑکی تھی۔

میں اس وقت اسٹوڈیو میں تھا جب وہ اندر آئی۔ میں اپنی پینٹنگ کے سامنے بیٹھا تھا' ایک کھڑکی تھی۔ اس کے دونوں پٹ کھلے تھے مگر کھڑکی کے سامنے دیوار چنی گئی تھی۔ یہ سب سے بہترین اظہار تھا میرے اندر کے دکھ کا۔

”اگر اس تصویر میں دیوار کی ایک اینٹ نکال دی جائے تو تصویر زیادہ پاورفل بن سکتی ہے۔“

”تم ہوتی کون ہو مجھے مشورہ دینے والی؟“ میں نے اس سے سوال کیا۔ وہ مسکرائی۔ ”ایک اینٹ جسے اس دیوار میں سے آپ اگر نکال دیں تو تصویر کا تاثر ایک دم سے مکمل ناامیدی سے امید میں بدل سکتا ہے۔“

”اگر تم وہ اینٹ ہو تو میں تمہیں اپنی زندگی کی دیوار سے نکال کر بالکل باہر پھینک دینا چاہتا ہوں۔“

اس کی استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ”اگر اس سے آپ کے اندر زندگی کا کوئی روزن کھل سکتا ہے تو میں کہوں گی' آپ ایسا ضرور کریں۔“

میرا خیال تھا وہ میری منت کرے گی ہمیشہ کی طرح لیکن اب اس کا رویہ بدلتا جارہا تھا۔ اس کی انا جگہ جگہ مجھ سے ٹکرانے لگی تھی۔ مجھے حیرت تھی مگر اس دن یہ حیرت بھی دور ہو گئی۔ میں بلال سے بزنس کے حوالے سے بات کرنے آیا تھا اور وہ اس کے کمرے میں تھی۔

”آپ کا رویہ ان سے کیوں بدل رہا ہے۔ پہلے تو آپ کھانے اور دوائی کے لیے کسی بھی حد تک جاکر منت کرکے کھلایا کرتی تھیں پھر اب ایسا کیا ہوا۔“ اس کی مدھم مگر صاف آواز میرے اندر گونج رہی تھی۔

”پہلے وہ مکمل طور پر ہارے ہوئے انسان تھے اور ہارے ہوئے انسان سے میں جنگ لڑتی بھی تو لے جیت نہیں سکتی تھی کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کا اعتماد گنوایا تھا' اپنی محبت کھودی تھی۔ اس وقت دل جوئی ضروری تھی۔ دل جوئی سے ہی ان کے دل کی اور روح کی سرجری کی جاسکتی تھی سو میں نے ایسا ہی کیا لیکن اب وہ نارمل زندگی کی طرف واپس آرہے ہیں اس لیے میں نہیں چاہتی اپنی اس مجبوری سے ان

کے اندر کوئی بہت بڑا احساس کمتری کا دروازہ کھلے۔ اس لیے میں تمکنت سے بات کرتی ہوں کہ وہ جواباً" اس سے بھی زیادہ اپنی ذات کا دفاع کریں۔ انھیں احساس رہے کہ وہ اس حالت میں بھی مجبور نہیں۔ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں' اور یہ بہت اہم ہے کہ وہ اس بات کو رئیلائز کریں کہ دنیا میں کچھ بھی ایسا نہیں جو وہ نہ کر سکتے ہوں۔"

میں واپس پلٹ آیا تھا۔ جو بات وہ مجھ سے چھپانا چاہتی تھی میں بھی اسے افشا نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس دن مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں اس لڑکی کا اسیر ہوتا چلا گیا ہوں۔ اس نے مجھے کھلا آزاد چھوڑ دیا تھا مگر اپنی محبت کا نامحسوس حصار میرے گرد باندھ دیا تھا اور میں نے تسلیم کیا۔

واقعات کبھی بھی صرف نیگیٹویٹی نہیں لاتے۔ وہ ہماری زندگی میں مثبت رجحان بھی پیدا کرتے ہیں۔ لیکن ہم زمین آسمان ایک کرکے رونے میں اتنے مگن ہوتے ہیں کہ اس پوزیٹویٹی کو بھی ضائع کر جاتے ہیں۔ جیسے اس مجبوری کے دنوں میں مجھے کتابیں پڑھنے کا موقع ملا تو میں سمجھ پایا کہ زندگی کے بعد کی جو زندگی ہے اس کو سنوارنے کا عمل ہمیں اسی زندگی میں شروع کرنا پڑتا ہے۔

میں جو بزنس کی وجہ سے اپنی پینٹنگ کو بالکل بھلا چکا تھا اب پھر سے رنگوں سے کھیل رہا تھا' اور اس مجبوری کے دنوں میں ہی مجھے پتا چلا تھا۔ حقیقت میں محبت کیا ہوتی ہے۔ میں جسے محبت سمجھ کر ڈیفائن کرتا آیا تھا۔ وہ تو صرف وقت گزاری تھی' اصل محبت تو کچھ اور ہی چیز ہوتی ہے' ہانیہ نے بتایا کہ محبت کا مطلب ذمہ داری اور مشکلات سے لڑنے اور جیت جانے کا دوسرا نام ہے۔ محتاجی کے ان دنوں نے ہی مجھے سکھایا کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں' سب کچھ وہ ذات باری ہے جسے جہاں سے اٹھا کر جہاں لے جا کر کھڑا کر دے اور کہے کہ اپنا کردار ادا کرو تو ہم کو وہ کردار نبھانا پڑتا ہے۔ دعائیں کیا ہوتی ہیں۔ تب ہی سمجھا تھا۔ اور ایک بیٹی کیا ہوتی ہے۔ ماں اور بابا کے جملوں میں اس کی تعریف سن سن کر جانا تھا۔

"مجھے بھی بیٹی چاہیے۔" میں نے دل سے دعا کی۔ حالانکہ یہ دعا صدا بہ صحرا کی طرح تھی مگر یہ دعا میرے دل میں پیدا ہوئی تو اس دعا کا سرا کہیں نہ کہیں اس رب کے ہاتھوں میں ہی تھا۔

میں سو رہا تھا' جب بلال کی آواز نے مجھے جگایا۔ وہ بہت خوش لگ رہا تھا۔ میں سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کیوں خوش ہے۔ تب ہی وہ میری میڈیکل فائل میرے سامنے لہرا کر بولا۔ چار سال بعد۔ پورے چار سال بعد بھیا! ایک ڈاکٹر آخر مل ہی گیا' جو کہتا ہے آپ کی اسپائنل کورڈ کا ایک چھوٹا سا آپریشن اور ہو گا اور آپ پھر سے چل پھر سکتے ہیں۔"

میں جو انکار اور ناامیدی سن سن کر تھک گیا تھا یکدم خوشی و حیرت میں آ گیا۔

دو ہفتے بعد ہم یو کے میں تھے۔ اس آپریشن میں کچھ بھی ہو سکتا تھا مگر میں ابھی تک اس سے اعتراف محبت نہیں کر سکا تھا۔

میں سوچتا اور لفظوں کے موزوں انتخاب میں ہار جاتا اور پھر جب میں آپریشن تھیٹر لے جایا جا رہا تھا میرے منہ سے نکلا۔

"ہانیہ! میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

ہانیہ نے میرے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ "مگر میں آپ کے ساتھ مرنا چاہتی ہوں۔"

کتنی غیر مشروط محبت تھی اس کی۔۔۔ میں مسکرایا اور میں نے سوچ لیا اگر آپریشن تھیٹر سے زندہ واپس لایا گیا تو میری پوری کی پوری زندگی صرف اس لڑکی کے نام ہو گی جس سے لڑ لڑ کر میں تھک چکا تھا اور وہ مجھ سے ہار ہار کر مجھے خاموشی سے جیت چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کے ہاتھ میں ابا کی دونوں ڈائریاں تھیں۔ ایک ڈائری پڑھ کر وہ رو چکی تھی اور اب دوسری ڈائری پڑھ کر مسکرا رہی تھی۔

"میں اپنی بیٹی سے اس لیے محبت کرتا ہوں کیوں کہ مجھے اپنے سوہنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع عزیز ہے۔ میری بیٹی میرا فخر' میرا غرور ہے۔ ہر باپ کے لیے بیٹی اتنا ہی حساس معاملہ ہوتا ہے۔ زمانے کی آنکھوں میں ڈال کر چلنے کے لیے بیٹی کا اعتبار کرنا پڑتا ہے اور بیٹی بھی اس اعتبار اور بھروسے کو اپنے آپ سے زیادہ سنبھال کر رکھے تو زندگی اس کو اس محبت کا اجر ضرور دیتی ہے۔"

اس نے صفحہ پلٹا' لکھا تھا۔

"کسی دانا کا قول ہے۔ "صبر سے رحمت کا انتظار کرو جو چیز تمہارے لیے ہے' وہ صرف تمہارے لیے ہی ہے۔ بس دیر سے آنا کسی حکمت کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس کی حکمت بے شک تمہاری سمجھ سے بالاتر ہے۔"

اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

اس نے گنگنانا شروع کر دیا کیونکہ پورٹیکو میں گاڑی کے رکنے کی آواز آ گئی تھی۔ پورٹیکو' لابی' کوریڈور اور پھر سیڑھیاں۔ ایک دو تین چار پانچ اور پانچ منٹ بعد دروازے کا لاک کھولا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ان کی بیٹی اپنے باپ کی گود میں تھی اور بہت خوش تھی۔ عائشہ کو اس نے اس کی گود میں ڈال دیا تھا۔

"تمہاری بیٹی نین نقش میں ہی نہیں' مزاج میں بھی مجھ پر چلی گئی ہے۔" سفیان غوری ہراساں تھا۔ "تمہیں بہت مشکلات سے گزرنا پڑے گا۔"

وہ مسکرائی تھی۔ "میرے پاس نسخہ کیمیا ہے۔ مجھے پتا ہے مجھے کوئی مشکل نہیں پڑنے والی۔" اس نے دراز میں سب سے پہلے خانے میں رکھے قرآن پاک کو دیکھا۔

سفیان غوری نے اس کے ہاتھ سے ڈائریاں چھین لیں۔ وہ پڑھتا جاتا اور ہنستا جاتا۔ "تمہارے ابا تو بڑے سیانے ہیں' ڈپٹی نذیر احمد کی طرح اتنا بڑا پلندہ دیا تھا مجھ سے بے چارے کو قابو کرنے کے لیے۔"

وہ ہنس کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ گارڈن میں اس کی بیٹی اور جیا کی بیٹی ایک ساتھ کھیل رہی تھیں۔ بیٹیاں سانجھی ہوتی ہیں لیکن زیادہ تر لوگ یہ نہیں مانتے۔

سفیان غوری نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"میری خوش نصیبی ہو تم۔"

اس نے آج بھی محبت کا ذکر نہیں کیا تھا' کیونکہ وہ جانتا تھا محبت کا ذکر نہ بھی کیا جائے تب بھی محبت اس کی ذات کا سب سے بڑا حوالہ رہی تھی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار اس لڑکی سے مل کر ہی تو جانا تھا کہ ہار کر جیتنا مشکل ضرور ہے مگر دیرپا ہے۔ رشتوں کی ڈور کو مضبوطی سے باندھے رکھنے کے لیے۔

ہانیہ نے پوری طرح اسے آزادی دی تھی کہ وہ من مانی کر سکے۔ سفیان غوری کی آنکھیں لو دے کر جل اٹھی تھیں۔ جو عکس اس کے دل میں تھا وہی عکس اس کی بانہوں میں سمٹا ہوا تھا۔ وہ خوش نصیب تھا۔ واقعی خوش نصیب کہ زندگی نے اسے ایک موقع دیا بدلنے کا اور وہ واقعی بدل بھی گیا۔

اگر اس دن ہانیہ یہ نہ کہتی۔ "اس پر سختی کرو تاکہ اسے پتا چلے کہ تم اس کا کتنا خیال رکھتی ہو تو شاید میں کبھی نہ جان سکتی وہ مجھ پر کتنا مہربان ہے۔ میں بے معنی باتوں پر خود کو ہلکان کرتی' مظلومیت کی چادر میں لپیٹ کر زندگی سے دور ہوتی جا رہی تھی اور آج جب سے میں نے چھوٹی بڑی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا سیکھا ہے۔ تب سے مجھے اپنی زندگی ناپسندیدہ نہیں لگتی۔ ہم بڑی بڑی خوشیوں کا انتظار کرتے ہیں اور اپنی زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو اپنی زندگی سے نکال باہر کر دیتے ہیں۔

مگر اب زندگی کو ترتیب دینے کا ہنر آنے لگا تھا اور میں اس راستے پر چلتے چلے جانا چاہتی تھی۔

جیا نے مسکرا کے کھیلتی بچیوں کو دیکھا اور کچن کی سمت بڑھ گئی۔ وہ یہاں انیکسی میں رہتی تھی۔ اس کا شوہر پہلے سے بہتر کمانے لگا تھا اور ہانیہ کے ساتھ مل کر گھر سنبھال رہی تھی۔ ہانیہ نے اسے کیئر ٹیکر کے طور پر رکھ لیا تھا۔ وہ ہانیہ کے ساتھ پھر سے پڑھنے لگی تھی کیونکہ وہ جان گئی تھی علم سیکھنے سے ہی وہ زندگی کو سمجھ سکتی تھی۔

☼

مکمل ناول



سعدیہ عزیز آفریدی

سکھ کا دریا، دکھ کا بادل

اس کی ابھی ابھی آنکھ کھلی تھی اس نے اٹھنے کی کوشش کیے بغیر آلکسی سے وال کلاک کو دیکھا' ابھی صرف گیارہ بجے تھے۔

"میری آنکھ اتنی جلدی کیسے کھل گئی۔" یہ اس کا پہلا سوال تھا جو اس نے خود سے کیا تھا۔

"ویکیوم کلینر۔" اس نے برا سامنہ بنالیا۔

"یہ ضرور دادو ہوں گی انہیں ہی اتنی جلدی اٹھنے اور پھر دوسروں کی زندگی تباہ کرنے کی پرانی عادت ہے۔" وہ بڑبڑایا تھا مگر بیڈ سے اب بھی نہیں اٹھا تھا۔

"I Heat dadu۔" یہ اس کی پہلی مربوط سوچ تھی۔

"پتا نہیں دادو جیسے لوگ دنیا میں آتے ہی کیوں ہیں! نہ خود ڈھنگ سے جیتے ہیں نہ دوسروں کو جینے دیتے ہیں۔" اس بار وہ سوچتے ہوئے برا سامنہ بنا کر اٹھ گیا۔ اور سب سے پہلے اس کا ہاتھ سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے اپنے سگریٹ کیس اور لائٹر کی طرف بڑھا تھا اس نے سگریٹ کو بہت اسٹائل سے شعلہ دکھایا تھا۔

"اسموکنگ بہت سے لوگ کرتے ہیں مگر شہری تم جس طرح سگریٹ کو شعلہ دکھاتے ہوئے وہ سو یونیک سو پریٹی۔ یوں لگتا ہے جیسے خواہشوں کو آگ لگادی ہے کسی نے ایک دم سے اچانک سے' کسی سنتھ سادھو کی طرح۔" رات کی پارٹی میں دوہرایا جانے والا جملہ ایک بار پھر سے اس کے چہرے پر دل آویز مسکراہٹ پیدا کر رہا تھا۔

اس نے گہرے گہرے تین چار کش لیے تھے اور پھر سے "جوہی حماد" کے بارے میں سوچا تھا۔

"باقی لڑکیوں سے بہت الگ ہے وہ' کبھی کسی "پب" کی طرح پر شور خواہشوں سے لبریز شیلی سی کبھی کسی اسٹوپا کی طرح مقدس سکون دھیان گیان بانٹتی ہوئی۔" اس نے سوچتے سوچتے ایش ٹرے میں سگریٹ بجھایا تھا اور اسی وقت اس کے کمرے کا دروازہ یکدم کھل گیا وہ برا سامنہ بنا کر سامنے کھڑی ہستی کو دیکھ رہا تھا۔

"آج آفس جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے؟" اس نے جواب دینے کے بجائے الماری کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"میڈ سے کہہ کر میرا سفید شلوار سوٹ استری کروا دیں۔" بے زاری اس کے ایک ایک لفظ سے ظاہر تھی۔

"سفید شلوار سوٹ؟" خاتون نے سوالیہ دیکھا تھا۔

"آپ کے بیٹے کی برسی ہے دادو اس لیے۔"

"میرا بیٹا؟ وہ تمہارا باپ بھی تھا۔" دکھ ان خاتون کے چہرے پر یہاں سے وہاں تک پھیلا ہوا تھا۔

"ہاں تو اسی لیے یاد رکھا ہے کہ آج ان کی برسی ہے آپ کو تو یہ بھی یاد نہیں' بس ان کے سامنے ظاہر کرتی تھیں کہ آپ ان پر جان نچھاور کرتی ہیں۔"

"میں آج کے دن کم از کم تم سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہتی۔" وہ یکدم کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں میں جاہل اور گنوار لوگوں کی طرح ہر وقت لڑتا جھگڑتا رہتا ہوں۔"

"تمہیں یہ کس نے کہا جاہل اور گنوار لوگ ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔" وہ حیران ہوئی تھیں۔

"آپ کو دیکھ کر اندازہ ہے مجھے۔" بہت سفاک اور گستاخ لہجہ تھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور سامنے کھڑی خاتون بے قرار ہو رہی تھیں۔

"غصہ مت کرو تمہیں ڈاکٹر نے اسٹریس لینے سے منع کیا ہے۔"

"پلیز میرے سامنے یہ ڈرامائی تاثر نہ دیں مجھے پتا ہے آپ کو اپنے بیٹے کی طرح میرے مرجانے سے بھی کوئی دکھ نہیں ہوگا۔"

"مجھے دکھ نہیں ہوگا۔" وہ خاتون دروازہ تھام کر رہ گئیں۔

"تم سمجھتے ہو مجھے دکھ نہیں ہے اپنے بیٹے کے مرنے کا دکھ نہیں ہے' وہ میرا اکلوتا بیٹا تھا بھری جوانی میں مرگیا میری عمر بھر کی کمائی تھا وہ اور تم کہتے ہو مجھے اس کے مرنے کا غم نہیں۔" وہ کچھ بولا نہیں اپنے کپڑے لے کر واش روم میں گھس گیا۔

"یہ مجھ سے اتنی نفرت کرتا ہے' جتنی میں اس سے محبت کرتی ہوں پتا نہیں اس کی نفرت اس قدر طاقت ور کیوں ہے؟" وہ بڑبڑاتے ہوئے اس کے لیے میز پر ناشتا سرو کروا رہی تھیں' تین طرح کے اخبار ٹیبل پر دھرے تھے جوس کا جگ ہاف بوائل انڈا' بریڈ مارجرین' جیم وہ دس منٹ میں ناشتے کے ٹیبل پر تھا۔

"نینی! میرا سوٹ پریس ہوا؟" اس نے انہیں بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔

"ناشتا تو دل سے کرلو' ہر وقت ادھر ادھر کے معاملات میں الجھے رہتے ہو۔" دادو نے آگے بڑھ کر نینی کے ہوتے ہوئے جگ سے جوس اس کے گلاس میں ڈالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"کیا میں نے ایسا کہا ہے آپ سے کرنے کے لیے؟" اس کی آنکھوں میں ہلکا سا بھی انسیت کا احساس نہیں تھا' حالانکہ اس بچے کو انہوں نے دو سال کی عمر سے دن رات ایک کرکے پالا تھا ان کی زندگی کا ایک ہی محور مرکز تو تھا ان کے علی جواد کی پہلی اور آخری نشانی۔

"آج آپ کی پرفارمنس روز کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی ہے دادو۔"

"شہریار! تمہیں آخر مجھ سے اتنی نفرت کیوں ہے۔"

"سمپل دادو' مجھے آپ سے نفرت اس لیے ہے کیونکہ مجھے آپ سے محبت نہیں ہے اگر میرے اختیار میں ہو تو میں ایک سیکنڈ بھی آپ کے ساتھ نہ رہوں مگر جس طرح آپ نے مجھے وقت دے کر پالا ہے بھلے دنیا دکھاوے کے لیے ہی اس کی وجہ سے مجھے آپ کا تھوڑا سا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں اولڈ ہوم واقعی ذہنی سکون کا کم قیمت حل ہے مگر لوگ کیا کہیں گے شہریار نے اپنی بوڑھی دادی کو عمر کے اس حصے میں گھر سے نکال دیا اور میں نہیں چاہتا پاپا کی طرح آپ بھی دنیا کے سامنے۔ ایک عظیم کردار بن کر ظاہر ہوں۔"

"تم چاہتے ہو میں تمہاری زندگی سے نکل جاؤں۔" دادو کو دکھ ہوا تھا۔

"ہاں عائشہ بی بی' میں چاہتا ہوں آپ میری زندگی سے نکل جائیں۔" نینی اور میڈ منہ پر ہاتھ رکھے حیرت زدہ رہ گئیں اور دادو کی آنکھوں کا دکھ۔۔۔

"شہریار۔۔۔" دادو کچھ اور کہہ ہی نہیں سکیں وہ ناشتا کرکے تیزی سے اٹھا اور کمرے میں آکر بے مصرف اپنی وارڈروب میں چیزیں لوھر سے ادھر کرنے لگا تھا۔

"میں نے جو کیا ٹھیک کیا' دادو اس رویے کی مستحق ہیں۔" تیز آواز میں اس نے پتا نہیں یہ بات کسے بتائی تھی اور تبھی اس کے موبائل پر رنگ ٹون بجی اس نے تیزی سے کال ریسیو کی۔

"او موم کہاں تھیں آپ' کل میں نے کتنا ٹرائی کیا آپ کا نمبر مسلسل بزی جا رہا تھا۔" دوسری طرف وہی مسحور کردینے والی آواز۔

"میں کل تھوڑی ڈسٹرب تھی شہری' کل پھر رضوان احمد نے مجھے ٹارچر کرنے کی کوشش کی وہ چاہتا ہے وہ ساری دنیا میں آزاد گھومے اور میں زندان میں

قید رہوں شہری دیکھ لینا اس رویے کو سہتے سہتے ایک دن میں مرجاؤں گی۔"

"موم پلیز ایسا پھر کبھی مت کہنا اس زندگی میں صرف آپ کی ذات ہی تو جزیرہ ہے میرے لیے جہاں میں سکون کے چند لمحے گزار سکتا ہوں' چین سے جی سکتا ہوں موم میں آپ کے بغیر بالکل تنہا ہوں' بالکل تنہا۔"

"میں بھی تمہارے بغیر بالکل اکیلی ہوں شہریار' اگر میرے ماں' باپ نے زبردستی میری شادی رضوان احمد سے نہ کی ہوتی تو میں تمہاری پرورش کے لیے ساری عمر اکیلی بھی جی سکتی تھی۔"

"میں جانتا ہوں موم' ساری دنیا نے مل کر آپ پر ظلم کیا ہے میرا بس چلے تو ساری دنیا کو آگ لگادوں مگر پھر سوچتا ہوں اس دنیا میں میری موم بھی تو ہیں بس یہی سوچ کر دنیا کو معاف کرنا پڑتا ہے۔" اس کے لہجے میں والہانہ پن واضح تھا۔

"موم آج آپ میرے ساتھ لنچ کریں گی' مجھے آج پاپا بہت یاد آرہے ہیں میں آپ کے ساتھ پاپا کی باتیں شیئر کرنا چاہتا ہوں' آپ کی گود میں سر رکھ کر آپ سے پیار لیے بہت سارے دن ہوگئے۔"

"شہریار ہم دو دن پہلے تو ملے تھے۔"

"موم آپ سے ایک دن دور رہتا ہوں تو لگتا ہے ایک سال سے نہیں دیکھا" بتائیں نا آج آپ مل رہی ہیں نا مجھ سے؟"

"میں وعدہ نہیں کرتی مگر رضوان کی نظر بچا کے آؤں گی ضرور' وہ میرا تم سے میل جول پسند نہیں کرتا' تم تو جانتے ہو نا اسٹوپڈ مین شاونزم۔"

"جی موم۔۔۔" شہریار نے گہرا سانس لے کر فون بند کردیا پھر وہ تیار ہوکر کی چین اٹھا رہا تھا جب اچانک اسے چکر سا آیا تھا' اس نے دیوار کو پکڑ کر خود کو سنبھالا اور عین اس وقت دادو نے دروازہ کھولا اور گھبرا کر بھاگی آئیں۔

"شہریار' تمہیں پھر چکر آیا ہے نا' پھر تم نے اسٹریس لیا ہے نا کوئی۔" شہریار نے دادو کو دیکھا اور ان کے سہارے سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"تمہاری بی پی ٹیبلٹ کہاں ہیں۔" دادو پورے کمرے میں ڈھونڈتی پھر رہی تھیں اس نے کوٹ کی جیب سے ٹیبلٹ نکال کر ایک گھونٹ پانی سے نگل لی اب آہستہ آہستہ اس کے سامنے سے منظر صاف ہوتا جا رہا تھا' دادو کی بے قراری پر اسے کوفت ہوئی تھی۔

"آپ زیادہ خوش مت ہوں میں اتنی جلدی نہیں مرنے والا دادو۔" عائشہ خاتون کی آنکھوں میں نم پھیلا تھا۔

"میں کیوں چاہوں گی کہ تم کوئی تکلیف بھگتو تم میرے علی کی۔"

"پتا ہے مجھے میں علی جواد کی اولاد ہوں پتا نہیں ساری دنیا میں موم کو علی جواد ہی کیوں ملے تھے۔" وہ یکدم سے اٹھا مگر پھر چکرا گیا۔

"تم آج کہیں نہیں جا رہے ہو شہریار۔" دادو نے یکدم فیملی ڈاکٹر کو فون کردیا تھا پندرہ منٹ بعد راشد کیانی اس کے روم میں تھے۔

"کیا کرلیا شیر جوان۔"

"کچھ خاص نہیں انکل یہ بس آپ کی مادام کو لگتا ہے میں بیمار ہوں حالانکہ آپ جانتے ہیں میں پاپا کی طرح کمزور دل کا انسان نہیں ہوں۔" ڈاکٹر راشد نے حیرت سے شہریار کا چہرہ دیکھا۔

"تمہیں کس نے کہا علی جواد ایک کمزور انسان تھا؟" شہریار نے لاابالی پن سے اسے دیکھا تھا۔

"ایسی باتیں چھپتی نہیں ہیں انکل سب لوگ کہتے ہیں اگر علی جواد کمزور انسان نہ ہوتے تو کبھی خودکشی نہ کرتے۔"

"میرے بیٹے نے خودکشی نہیں کی تھی' وہ ایک حادثہ تھا۔"

"یہ کہانی آپ کی گھڑی ہوئی ہے جو آپ نے پاپا کے انشورنس کی رقم کے لیے دنیا کو اور میڈیا کو سنائی لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی چیپ حرکت۔"

"شہریار آپ کو اپنی دادو سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کیا؟" ڈاکٹر راشد نے غصے سے کہا تو شہریار کچھ نہیں بولا' ڈاکٹر راشد کیانی اس کا بلڈ پریشر چیک کر رہے تھے اور پھر ان کی حیرت اور پریشانی یکدم کمرے میں گونجی تھی۔

"یہ نارمل نہیں ہے ایک سو ستر اور ایک سو تیس ——— تم فی الحال کوئی کام نہیں کر رہے ہو تمہیں بیڈ ریسٹ کی سخت ضرورت ہے مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ پچیس برس میں اتنا بلند فشارِ خون۔"

"میں آرام نہیں کر سکتا مجھے آج ایک بہت ضروری کام ہے۔" وہ بے زاری سے بولا تھا۔

"تمہیں آج کوئی ضروری کام کیسے ہو گا آج تو علی جواد کی برسی ہے۔"

"پتا ہے آپ نہ بھی بتائیں تب بھی مجھے پتا ہے میرے باپ کو مرے ہوئے تیئیس برس ہو چکے ہیں۔ سخت' بے کیف بے رونق اور بدذائقہ تیئیس برس۔" اس کے لہجے میں بے زاری تھی دکھ تھا یا غصہ کچھ بھی واضح نہیں تھا۔

ڈاکٹر راشد کیانی اسے انجکشن دے رہے تھے دوا کے ساتھ بلڈ سرنج میں واپس آرہا تھا انتہائی بلند فشار خون میں انجکشن بے حد احتیاط کا متقاضی تھا ڈاکٹر راشد کیانی سانس روکے ہوئے اسے ٹریٹ منٹ دے رہے تھے مگر خود شہریار' اس کا انداز بے حد لاپروا تھا۔

"آنٹی ——— میں نے اسے انجکشن دے دیا ہے مگر عارضی علاج ہے آپ کل اسے لے کر میرے ہسپتال آئیں مجھے اس کے کچھ Sevear ٹیسٹ لینے ہیں بلڈ پریشر سر درد کی طرح کی خاموش بیماری کی علامت بھی ہو سکتی ہے اور میں چاہتا ہوں وقت سے پہلے ہم اس کی پرابلم کی جانچ کریں۔" شہریار نے غائب دماغی سے راشد کیانی کی بات کو سنا انجکشن کی وجہ سے اسے غنودگی ہو رہی تھی۔

"مجھے جانا ہے' مجھے اپنی موم سے ملنا ہے پورے تین دن ہو گئے ہیں مجھے اپنی موم کو دیکھے ہوئے' دادو آپ بہت ظالم ہیں آپ پاپا کی طرح مجھے بھی مار دینا چاہتی ہیں تاکہ ساری جائیداد آپ کو مل جائے۔" وہ غنودگی میں بھی بڑبڑا رہا تھا ڈاکٹر راشد کیانی کا چہرہ صدمہ سے فق ہو گیا اور عائشہ خاتون مجرم کی طرح ان کے سامنے کھڑی تھیں۔

"علی جواد کو میں نے نہیں مارا تھا وہ تو اس دن پتا نہیں مجھے کیوں غصہ آگیا تھا' اتنا غصہ کہ میں نے اندر کا سارا غصہ ایک سانس میں اس پر الٹ دیا' وہ مجھ سے کچھ شیئر کرنے آیا تھا' پتا نہیں کیا اور میں نے مہانو کی ساری نفرت اس پر انگل دی اس نے کتنا تڑپ کر میرا ہاتھ پکڑا تھا۔"

"پلیز امی جان مجھ سے خفا مت ہوں میں نے آج تک آپ کی محبت کے علاوہ کوئی روپ نہیں دیکھا میں آپ کا غصہ آپ کی ناراضی سہہ نہیں پاؤں گا۔" وہ کہتا رہا اور میں نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"چلے جاؤ تم مہانو کے ساتھ جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ۔"

"میں کہیں نہیں جانا چاہتا میں صرف آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں مجھے خود سے دور مت کریں میں مر جاؤں گا امی جان۔" وہ میرے پیچھے پیچھے بھاگتا میرے کمرے تک آیا تھا راشد اور میں نے اس پر اپنی محبت کا دروازہ بند کر دیا تھا وہ کتنی دیر تک کھٹکھٹاتا رہا تھا۔

"امی جان ——— امی جان۔" میں نے اس پر دروازہ نہیں کھولا پھر اس کے مایوس جاتے قدم۔

"مجھے اگر گمان ہوتا کہ یہ قدم لوٹ کر پھر میرے پاس نہیں آئیں گے تو میں اتنا بڑا ظلم نہ کرتی خود پر' اپنی کٹھور نہ بنتی' میرا علی' ہائے میرا علی جواد۔" عائشہ خاتون رونے لگیں ڈاکٹر راشد کیانی نے انہیں ایک بیٹے کی طرح سہارا دیا پھر نرمی سے کہا تھا۔

"صبر کریں آنٹی' میں آپ کی محبت کا گواہ ہوں' میں گواہ ہوں کہ آپ کا دل علی جواد کی محبتوں سے آج بھی اسی طرح منور ہے' جس طرح آپ اس کی زندگی میں اسے دیکھ کر جیتی تھیں' آپ شہریار کی باتوں کا برا مت منایا کریں مہانو ساحرہ ہے وہ جسے جس طرح چاہتی ہے مہرے کی طرح استعمال کرتی ہے اور پھر اسے بساط سے ہٹا دیتی ہے' آپ اگر اپنا خیال نہیں کریں گی تو وہ شہریار کو بھی علی جواد کی طرح اپنے جادو سے بے جان بت میں ڈھال دے گی۔"

"نہیں' نہیں میں اس کہانی کو پھر ایسا انجام نہیں دینا چاہتی' تبھی تو اس کی کڑوی کسیلی باتیں سہہ لیتی ہیں میرے دل کے اندر علی جواد کی آوازیں گونجتی رہتی ہیں۔ وہ کہتا تھا میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا امی جان مجھ سے خفا مت ہوں اور مجھے شہریار کی تلخ باتیں اپنے اس عمل کا کفارہ لگتی ہیں جو خود پر جان چھڑکنے والے بیٹے کو تنہا کر کے موت کی طرف جانے سے نہ روکنے کا گناہ کر کے میں نے کیا تھا۔

"تو آپ کو بھی لگتا ہے وہ خودکشی تھی آنٹی۔" راشد کیانی کی آواز مرنے لگی تھی عائشہ خاتون خالی آنکھوں سے راشد کیانی کو دیکھ رہی تھیں۔

"میرا دل کہتا ہے میرا بیٹا خودکشی نہیں کر سکتا مگر راشد ڈرائیونگ میں وہ جتنا محتاط تھا اس پر اس طرح کا حادثہ میرا یقین توڑ پھوڑ دیتا ہے۔"

"مگر جس علی جواد کو میں جانتا تھا وہ کبھی خودکشی نہیں کر سکتا آنٹی' کبھی بھی نہیں۔" وہ سامان سمیٹ رہے تھے پھر روکھے لہجے میں بولے تھے۔

"آپ اسے کسی بھی طرح کل ہسپتال ضرور لائیں مجھے اچھی علامات نظر نہیں آرہی ہیں۔"

"میں پوری کوشش کروں گی مگر یہ مہانو کے علاوہ کسی کی نہیں سنتا اور مہانو اس سے کبھی محبت نہیں کر سکتی یہ بات یہ کبھی نہیں مان سکتا اور میں خود بھی چاہتی ہوں یہ بات اسے کبھی پتا نہ چلے کہ مہانو اس سے محبت نہیں کرتی میں نہیں چاہتی علی جواد کی طرح میں اسے بھی کھو دوں۔"

ڈاکٹر راشد کیانی سر ہلا کر چلے گئے اور عائشہ خاتون اس دشمن جاں کے سرہانے بیٹھی آیتیں پڑھ پڑھ کر اس پر دم کر رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"گھر میں کچھ بھی نہیں ہے' کھانے کو کیا دوں بچوں کو؟" برے حال میں کھڑی عورت حلیے سے ہی نہیں چہرے سے بھی بے چارگی کی تصویر بنی ہوئی تھی اور سامنے چارپائی پر لیٹا ہوا مرد الجھے ہوئے بالوں اور بڑھے ہوئے شیو کے ساتھ اس بات کا پتا دے رہا تھا کہ اس کی ساری پریشانی کی اصل وجہ وہی ہے۔

"بول نا رحیم کیا دوں ان بچوں کو؟"

"جو میں کہوں گا تو انہیں نہیں دے سکتی اس کے لیے تجھے انت کمانا پڑے گا۔" خباثت سے ہنس کر اس نے سگریٹ کا دھواں اس عورت کے منہ پر چھوڑا پھر پیلے پیلے دانتوں کی نمائش کر کے بولا۔

"بچوں کو دو چیزیں دے سکتی ہے' ایک تو زہر ایک نشے کی پڑیا' دونوں صورتوں میں تیری جان خلاصی ہم کیا سمجھی۔" اس عورت نے دونوں بچوں کو سینے سے بھینچ لیا جیسے اس کے شوہر کے یہ جملے ہی زہر بن کر اس کے بچوں کی روح پی جائیں گے۔

"تیرا دل پتھر ہے' رحیم تیرا دل پتھر ہے کوئی اپنی اولاد کے لیے ایسا کہتا ہے۔"

"میری اولاد؟ مجھے کیا پتا ہے کس کی اولاد ہے میں تو ہفتوں ہفتوں گھر سے غائب رہتا ہوں اور میرا دل ... تو ادھر دیکھ یہاں کوئی دل نہیں ہے۔"

"مجھے پہلے پتا تھا تیرے سینے میں دل ہے ہی نہیں تو جانور ہے بالکل جانور۔"

"چل پھر عیش کر اور اس بات کو گرہ میں باندھ لے اب میرے سامنے یہ رونا لے کر کبھی مت آنا' یہ تیرے بچے ہیں' تجھے پتا ہونا چاہیے کہ کیسے پلیں گے۔"

وہ باہر نکل آئی جھگی کے باہر بیٹھ کر اس نے دونوں بچوں کو دیکھا حسرت دکھ بے چارگی' کیا کچھ نہیں تھا اس کی آنکھوں میں۔

"اماں کیا ابا شروع سے ایسا ہے۔" بیٹے نے ماں کا کندھا ہلایا۔

"ہاں تیرا ابا شروع سے ایسا ہے' جانور بدقماش۔"

"تیرے ماں باپ نے پھر بیاہ کیوں کیا اس کے ساتھ۔" بیٹی جو چودہ برس کی تھی اس سے وہ سوال پوچھ رہی تھی جو وہ سولہ سال سے خود سے پوچھتی آرہی تھی۔

"میرا باپ قرض دار تھا اس نے اپنا قرض چکانے کے لیے مجھے تیرے ابا کے باپ کے ہاتھوں بیچ دیا' وہ جانتا تھا اس کے بیٹے کو کوئی لڑکی نہیں دے گا اور وہ پانچ بیٹیوں کے بعد ہونے والے اپنے بیٹے کا گھر بسانا چاہتا تھا۔"

"دادا کیا امیر آدمی تھا۔" لڑکے نے حیرت سے پوچھا۔ اور وہ گم سم بیٹی اور بیٹے کو دیکھنے لگی۔

"امیر تو نہیں مگر پکی اینٹوں کا گھر تھا اس کا ریلوے میں ملازم تھا پر شروع سے تیرا ابا اس کے لیے درد سر بنا رہا اس نے اپنے بیٹے کا گھر بسانے کے لیے اپنا فنڈ ریٹائرمنٹ سے پہلے لے لیا' ہماری شادی ہو گئی دو ماہ بعد یہ ہی ترا ابا تھا اور اس کے نشے کی عادت! ترے دادا کے مرتے ہی اس نے گھر بھی اونے پونے بیچ دیا اور ہم یہاں جھگی میں اٹھ آئے۔"

"تو نے کبھی پلٹ کر اپنے ماں باپ کو نہیں کہا مجھے کس آگ میں جھونک دیا۔" اس کا جھکا ہوا سر یکدم حیرت سے اٹھا تھا۔

"یہ تو اتنی بڑی بڑی باتیں کہاں سے کرنا سیکھ گئی

ہے رخشی۔" ماں نے خوف سے کھینچ کر اسے قریب کر کے بٹھا لیا۔

"کہیں سے نہیں' وہ پکے گھر والی فردوس باجی ہیں نا ان کے گھر میں ٹی وی پر ایسے ہی ڈرامے آتے ہیں اس میں چمک دمک والی عورتیں ایسی ہی باتیں کرتی ہیں۔"

"پکے گھر والی فردوس باجی۔" جنتے کا منہ کڑوا ہو گیا۔ اور اس نے شوہر اور پکے گھر والی فردوس باجی کی سکھی زندگی کا سارا غصہ رخشی کے بال پکڑ کر نکالا تھا۔

"کیوں جاتی ہے تو وہاں' کیا تو فقیرنی ہے تجھے ٹی وی دیکھنے کی کیا قیامت پڑی ہے' جو زندگی ہم نہیں جی سکتے اس میں گھستی کیوں ہے۔"

"اماں مجھے ڈرامے دیکھنا اچھا لگتا ہے زندگی سمجھ آ جاتی ہے۔"

"زندگی؟ زندگی کیا ہے تجھے پتا ہے۔" جنتے نے خوف سے اتنا بھاری لفظ بولنے پر بیٹی کو پھر گھورا اور وہ پہلے سے انداز میں بولی تھی۔

"ہاں آتی ہے سمجھ زندگی' اماں زندگی وہ ہے جو ہم نے آج تک نہیں دیکھی' آج تک جو ہم جی بھی نہ سکے' یہ زندگی نہیں وقت گزاری ہے تو دن بھر ابا سے لڑتی رہتی ہے' ہمیں مارتی رہتی ہے اور سمجھتی ہے اس سے ہماری زندگی آسان ہو جائے گی' تو دوسری عورتوں کی طرح کام کیوں نہیں کرتی' برتن مانجھ' صاف صفائی کر بہت پیسہ ہے ان چیزوں میں۔"

"کیوں کروں' میں کیوں کروں تیرے باپ کی اولاد پالنے کے لیے' ادھر دیکھ پندرہ سال سے قالین بناتے بناتے میرے ہاتھ چھل گئے ہیں تھک گئی ہوں مجھے اب کام کرنے سے زیادہ بھیک مانگنا آسان لگتا ہے۔"

"تو مانگ بھیک کون روکتا ہے' جلنے کڑھنے سے تو بہتر ہے بھیک مانگ مجھے صبر آجائے گا کہ میری ماں صرف بھیک مانگ سکتی ہے۔"

"تو مجھے محمد خیر الدین کی طرح مت جھاڑ پلا' تیرا دادا بھی ترے باپ سے صرف انیس بیس کا فرق رکھتا تھا۔"

"میرے دادا محمد خیر الدین کو اپنے شوہر رحیم خیر الدین سے مت ملا اماں اسے زندگی کی سمجھ تھی میں نے سات برس گزارے ہیں اس کے ساتھ' وہ مجھے اچھی اچھی کہانیاں سناتا تھا' کتابیں لا کر دیتا تھا' بھلے پھٹی پرانی کتابیں' مگر ان کتابوں سے ہی میں نے بہت پڑھا ہے زندگی کو' میرا دادا نا امید نہیں تھا' اس نے کبھی نشہ نہیں کیا وہ غریب تھا پر عزت دار موت مرا تھا۔" جنتے اپنی اوڑھنی منہ پر رکھے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تو بڑی ہو گئی ہے یا مجھے لگ رہا ہے کہ تو بڑی ہو گئی ہے۔"

"میں بڑی ہو گئی ہوں' اماں' میں اپنا اور تیرا گزارہ اچھا کر سکتی ہوں؟"

"تو چودہ برس کی عمر میں اتنی بڑی بڑی ذمہ داریاں لینے کی بات کرتی ہے۔"

"میں صرف بات نہیں کر سکتی' واقعی کر بھی سکتی ہوں' عورت ہونا برائی نہیں عورت سمجھ کر خود کو دنیا اور لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا غلط ہے۔"

"کیا کرے گی تو' چودہ برس کی عمر ہے تیری! یہ لوگ بھیڑیے بن کر کھا جائیں گے تجھے۔"

"ڈرتے رہنا اور کچھ کیے بغیر مر جانا زیادہ برا ہے' اس کے مقابلے میں آپ بہادری سے لڑو اور زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سولی چڑھ جاؤ۔"

"تیری زبان! یہ ہم غریبوں سے میل نہیں کھاتی تو مجھے مت ڈرا مجھے تیرے مستقبل سے خوف آتا ہے۔"

"خوف مت کھا' یہ جنا میرا ساتھ دے گی۔"

"کیا' کیا کرنا پڑے گا مجھے' وہ ایک دم سے اپنی چودہ سالہ بیٹی کے سامنے سرینڈر کر چکی تھی اس کی بیٹی میں لیڈرانہ صلاحیتیں بھلے کم ہوں مگر اس کے اندر سر جھکا کر محکوم بن کر کام کرنے کے جراثیم بہت زیادہ تھے۔

"فردوس باجی نے کل ایک پتا دیا تھا اس گھر میں ملازماؤں کی ضرورت ہے جو دن رات ان کے گھر میں رہیں' ہم چھوٹے کے ساتھ وہاں ایک کمرے کے کوارٹر میں آرام سے رہ سکتے ہیں آج نہیں' ہم کل فردوس باجی کے ساتھ وہاں جائیں گے۔"

اس نے کچھ نہیں کہا اور بھوک سے نڈھال وجود میں محکوی سے ایک اور زندگی کا خواب دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں نہیں لگتا زندگی آسان نہیں۔" اس نے چیونگم چباتے بے فکرے انداز میں ریسٹورنٹ میں آنے جانے والے لوگوں پر جملے کستے ہوئے اسے ٹوکنے کی کوشش کی اور وہ بوریت سے اسے دیکھنے لگی۔

"یار شاہ میر تمہیں کوئی اور کام نہیں ہے ہر وقت لیکچر دینے کیوں بیٹھ جاتے ہو۔"

"میں لیکچر نہیں دے رہا تمہیں سمجھا رہا ہوں زندگی ایسی آسان بھی نہیں جتنا تم سمجھتی ہو۔"

"میں زندگی کو مائنس فائیو بھی نہیں دیتی اب بولو۔" کہہ کر اس کی طرف مڑی پھر شرارت سے بولی۔

"تم اچھے دوست ہو' بھی اتنا وقت بھی گزار لیتی ہوں تمہارے ساتھ' ورنہ مجھے زندگی کی سمجھ دینے والے لوگوں سے سخت چڑ ہے۔"

"کیوں ہے ایسا، تمہیں صحیح رستہ دکھانے والے لوگوں سے چڑ کیوں ہے۔" شاہ میر نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"سیدھی سی بات ہے میں زندگی کو حرف غلط کی طرح مٹا چکی ہوں میرے لیے زندگی قابل غور نہیں میرے لیے میری مرضی میری پسند ناپسند اہم ہے۔"

"تم آنٹی کے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔"

"آنٹی نے بھی تو زیادتی کی ہے میرے ساتھ' کیا میں نے انہیں درخواست بھیجی تھی کہ مجھے دنیا میں ضرور بلائیں۔"

"تمہیں برا کیا لگتا ہے ' زندگی' دنیا' یا آنٹی مرحومہ۔" شاہ میر نے نئی طرح اسے کھوجنا چاہا اور وہ اس کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی تھی۔

"تم ... مجھے سب سے زیادہ برے تم لگتے ہو۔" اور شاہ میر کا چہرہ یکدم پھیکا پڑ گیا تھا۔

"میں تمہارا اچھا دوست ہوں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"تمہیں ہوگا یہ دعوا مجھے نہیں' پتا نہیں تم میرے ساتھ کیوں وقت برباد کرتے پھرتے ہو۔"

"اگر شبانہ آنٹی کا حکم نہ ہوتا تو میں کبھی تمہاری درد سری نہ پالتا۔" ایمان صفورا نے شاہ میر کی طرف انگشت شہادت سیدھی کر کے شرارت سے اسے دیکھا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے کہا تھا تم میرے اچھے دوست ہو اور ابھی دوسری سانس میں کہہ رہے ہو کہ تم صرف میری خالہ کی کسی التجا کی وجہ سے میرے ساتھ تھے ہو' شاہ میر پہلے تم خود کو یہ تو بتا دو تم میرے ساتھ کیوں پھر رہے ہو پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں زندگی کے ساتھ کیوں نہیں رہنا چاہتی۔"

"زندگی مایوس نہیں۔" شاہ میر نے پھر سے سنبھالا لیا تھا اور وہ پھر ہنس پڑی تھی۔

"زندگی جن کے پاس ہے ان سے کہو' یہاں تو صرف سانس لیتا ایک وجود ہے جس کے اندر کوئی آرزو کوئی تمنا کوئی خواب نہیں جو روز اس امید پر سوتا ہے کہ دوسرے دن شاید اس کی آنکھ نہ کھلے شاید زندگی کی تلخی کو وہ پھر نہ چکھے مگر ہر روز ایک ... نئی صبح ہوتی ہے' جو زندگی کے بوجھل پن کو کچھ اور بڑھا جاتی ہے۔"

"تم ہمیشہ سے ایسی تو نہیں تھیں۔" شاہ میر نے اس کے ہاتھ پر اپنائیت سے ہاتھ رکھا اور اس نے کرنٹ کھا کر دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھ لیے تھے۔

"پلیز مجھے امید کے ہر لفظ سے نفرت ہے۔ میں نے اپنے گرد ایک حصار بنا لیا ہے اور اس حصار میں' میں کسی کو داخل نہیں ہونے دے سکتی۔"

"تم پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔"

"ہاں مگر بہت سالوں پہلے اپنی ماں کو مرتے دیکھ کر میرے اندر کی ایمان صفورا مر چکی ہے میری زندگی کا محور اور مقصد میری ماں تھی جس نے ایک ایسے مرد کے لیے اپنی عمر گنوا دی جس نے کبھی پلٹ کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھا' اس نے اپنی زندگی جی لی ہے یا کہیں اپنے دل میں دفن کر دی ہے۔"

"تم بھول کیوں نہیں جاتی ہو' وہ سب جواب ماضی کا حصہ ہے۔" ایمان صفورا نے شاہ میر کے چہرے پر آنکھیں ٹکائیں بولی۔

"تم اور میں جو ابھی تمہارے سامنے بیٹھی ہوں اور تم سوچ رہے ہو کہ میں زندہ ہوں' اگر میں اندر کی طرح باہر سے بھی مر جاؤں تو تم مجھے کتنے دن میں بھول جاؤ گے۔"

"شاید کبھی بھی نہیں میں تمہیں ہمیشہ اپنی تنہائی میں دوہرایا کروں گا۔"

"کیوں؟" اگلا سوال No oplion تھا' شاہ میر اس کے سامنے خاموش بیٹھا تھا۔

"ایمان صفورا نے اس کے سامنے گلاس کو بہت تیزی سے گھمایا کسی لٹو کی طرح اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی۔

"تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہمدردی ہے اور تم اپنے احساس کو غلط سمجھ رہے ہو' اپنے اوپر ظلم مت کرو۔" شاہ میر یکدم ٹیبل سے اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ریسٹورنٹ سے نکلتا چلا گیا۔

"شاید ایک ہزار پانچ سو دفعہ کی طرح پھر ناراض ہو گیا ہے مگر مجھے پتا ہے اس کو صرف یہ ڈر ہے کہ میں اکیلے پن سے گھبرا کر خودکشی نہ کر لوں۔ مگر وہ نہیں جانتا زندہ رہنا میرے لیے اذیت کی طرح ہے اور اپنے باپ کی نفرت کا بدلہ چکانے کے لیے مجھے اس اذیت میں رہنا اچھا لگتا ہے۔" وہ بڑبڑائی تھی تبھی ایک بہت خوبرو سا شخص ریسٹورنٹ میں داخل ہوا۔ وہ پہلے سے مختص میز پر بیٹھا تھا' بالکل اکیلا سا۔ وہ اپنی میز سے مسکرا کر اٹھی اور اس کی میز تک آئی تھی۔

"کیا آپ اکیلے ہیں؟"

"جی میں ہمیشہ اکیلا ہی ہوتا ہوں مگر زندگی روز نئے دوست بھیج دیتی ہے۔"

"ہاہا... آپ کو یہ گمان کیسے گزرا میں آپ کی دوست ہوں دشمن بھی تو ہو سکتی ہوں۔"

"لڑکیاں دشمن ہوں تو بھی دشمن جان کہلاتی ہیں اور مجھے جان جاناں قسم کے رشتوں کو نبھانے کی بڑی بری عادت ہے۔"

"آپ کا گڈ نیم۔"

"ایمان صفورا اور آپ؟" اس نے اس کی اسموکنگ کی ریکویسٹ کو دریا دلی سے اوکے کر دیا۔

"شہریار' شہریار علی جواد۔" سامنے بیٹھی لڑکی کا چہرہ ایک دم سے پیلا پڑ گیا۔

"شہریار علی جواد۔" وہ زیر لب دوہرا رہی تھی تبھی ایک لڑکا ان کی میز تک آیا۔

"پتا نہیں تم کس جرم کی سزا ہو اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمہیں کسی سمندر میں پھینک آتا اور کبھی پلٹ کر تمہیں دوبارہ یاد بھی نہ کرتا۔"

"اٹس اوکے مین کیا ہے' کس بات پہ غصہ کر رہے ہو۔" شہریار علی جواد نے حیرت سے اسے دیکھا تھا اور وہ لڑکی شائستہ انداز میں اس کے برے رویے کو برداشت کر رہی تھی۔

"تمہارے روزانہ کے نت نئے ڈراموں کی وجہ سے آج اتنے دنوں بعد تمہیں شاہ میر کے ساتھ باہر آنے کی اجازت ملی تھی مگر تمہاری یہ فلرٹ کرنے کی عادت ہمیشہ میرا سر جھکا کے رکھتی ہے ایمان۔"

"ایک کام کیوں نہیں کرتے تم اپنی لسٹ میں سے مجھے نکال کیوں نہیں دیتے۔"

"اگر آپ کے ساتھ وہ اچھا محسوس نہیں کرتیں تو آپ انہیں تنگ کیوں کر رہے ہیں۔" شہریار نے دخل اندازی کرنے کی کوشش کی اور آنے والے نوجوان نے اتنے غصے سے اسے گھورا کہ شہریار پہلی بار متاثر ہونے لگا۔

"اے مسٹر یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے' میری بہن ہے یہ اور مجھے حق حاصل ہے کہ میں اس سے جس لہجے میں بات کرنا چاہوں کر سکتا ہوں۔"

"اوکے اوکے۔" شہریار علی نے برا سا منہ بنا کر اپنی چیزیں اٹھائیں اور بہت سلیقے سے قدم رکھتا میز سے اٹھ چکا تھا۔

"گھر چلو گی یا مزید کوئی ڈرامہ اسٹیج کرنا ہے میں نے اب تک بہت ہی آہستہ آواز میں تمہیں سمجھایا ہے اگر تم چاہتی ہو کہ بیچ کھری پر تمہاری خبر لگے تو میں بلند آواز میں اپنے جذبات کا اظہار کر سکتا ہوں۔" وہ یکدم

کھڑی ہو گئی اور خاموشی سے چلتی ہوئی اس کی کار میں جا بیٹھی تھی۔

"شاہ میر ایک بہت برا دوست ہے۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"اسے برا کہنے کی ضرورت نہیں اسے فون میں نے ہی کیا تھا تمہاری احمقانہ حرکتوں کی رپورٹ لینے کے لیے مگر جب پتا چلا تم یہاں اکیلی ہو تو میں تمہیں خود لینے آگیا ہوں۔"

"مگر کیوں اصفی، میں کوئی چھوٹی سی بچی تو نہیں کہ تم ابھی تک میرے لاڈ اٹھاتے ہو میں ایک سیاسی ٹاک شو کی میزبانی کرتی ہوں۔" وہ خاموشی سے کار چلا رہا تھا۔ گاڑی کے باہر اور اندر بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی صرف اسے اپنا دل دھڑکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"اصفی تم اس آدمی کو جانتے ہو اس کا نام شہریار ہے۔"

"یہ بہت چھوٹا سا ملک ہے یہاں ہزاروں شہریار ہوں گے کیا سب کے بارے میں جاننا مجھ پر فرض ہے۔" بے زاری اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

"نہیں مگر یہ شہریار علی جواد تھا، علی جواد جس سے میں اور تم بچپن سے شدید نفرت کرتے آرہے ہیں۔" اصفی نے پہلی بار غور سے اسے دیکھا پھر دو سرے لمحے کندھے اچکا کے بولا۔

"میں نہیں مانتا یہ، ہم کوئی ڈرامہ یا ناول نہیں شیئر کر رہے کہ ایسے اتفاقات ہوں ہمارے ساتھ۔"

ایمان صفورا نے پھر سے چیو گم چبانی شروع کر دی اور اصفی کی کسی بات کو اہمیت دینے کا خیال جھٹک دیا تھا۔ مگر رات گئے وہ فیس بک پر بیٹھی تو شہریار علی جواد کو کلک کیا تھا اس نے، پھر ڈھیروں آئی ڈیز سرچ کرنے کے بعد اس کے سامنے وہی چہرہ کھڑا تھا، وہی نین نقش، وہی ملائمت، وہی خاموشی سے بہت کچھ کہتی آنکھیں، بزنس ٹائیکون شہریار علی جواد۔ وہ استہزا سے ہنس پڑی تھی، مگر اس کی ہنسی میں محبت نہیں نفرت ہی نفرت تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم نے بہت اچھا کیا فردوس کہ میرے لیے انہیں لے آئیں ـــ تمہیں پتا تو ہے آج کل یہ ملازمین کتنا ہائی رسک ہیں، زندگی کے لیے انہیں رکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ پتا نہیں کب تنخواہ کے ساتھ گھر بھی صاف کر جائیں مگر تم ان کی انشورٹی دے رہی ہو تو مجھے سکون رہے گا۔"

"بس بی بی جی، اچھی عورت ہے یہ، اس کا جنا بہت خبیث ہے ورنہ اس کے سسر کی ہمارے علاقے میں بڑی عزت تھی جی۔"

"ہاں ٹھیک ہے اچھا یہ بتاؤ میرے کپڑے سی لیے تم نے۔"

"نہیں بی بی جی، بس دو جوڑے سلے ہیں باقی ابھی رہتے ہیں۔" سامنے بیٹھی عورت کے چہرے پر خفگی کا تاثر نمایاں تھا۔

"فردوس ڈرامے کم سے کم دیکھا کرو، کام نہیں کرو گی دھیان سے تو گھر کے عیش آرام کہاں سے پورے ہوں گے۔"

"جی بی بی جی۔" فردوس صوفے سے اٹھ گئی۔ سامنے بیٹھی عورت نے سر کے اشارے سے اجازت دی تھی اور پھر فرش پر بیٹھے ان تینوں کو دیکھا تھا۔

"کیا کیا کر سکتی ہو تم اور کیا نام ہیں تمہارے؟"

"جی میرا نام جنتے ہے، یہ رخشی اور یہ میرا بیٹا فاخر۔"

"کتنے عرصے سے نہیں نہائی ہے۔" عورت نے برا سا منہ بنا کر کسی کو آواز دی۔

"اسے کوارٹر میں لے جاؤ خالی کمرہ دے دو، اور دو چار اپنے جوڑے بھی دے دو میں ابھی کے کچھ جوڑے تمہیں بھجوا دوں گی۔"

"جی بیگم صاحب جیسے آپ کا حکم۔" اس نے ان تینوں کو دیکھا اور ایک چرواہے کی طرح انہیں اپنے آگے ہنکاتے ہوئے ملازمین کوارٹر کی طرف لے گئی۔

"ایمان بی بی کے چند نئے کپڑے۔" وہ خیال میں ہی سوچ کر مسکرا رہی تھی پھر اس نے سب سے گھسے ہوئے جوڑے اس کے سامنے رکھے تھے، دونوں بچوں کے لیے بھی دو جوڑے دیے تھے، پھر صابن اس کی طرف بڑھا کر بولی۔

"چل جا کر نہا پہلے، بیگم صاحبہ صفائی ستھرائی کی بڑی شوقین ہیں یہاں بڑے بڑے لوگ آتے جاتے ہیں، اگر ان کے سامنے گندے مندے حلیے میں نظر آئی نا تو سمجھ اسی دن نوکری سے نکال دیں گی بیگم صاحب۔" رخشی نے بٹی ہو کر ماں کی ڈھال بن کر ماں کی طرح ہی اسے سمیٹ لیا تھا اور جنتے پہلی بار خود کو کسی مضبوط سہارے کے حصار میں محسوس کر رہی تھی۔



شہریار علی جواد، ریوالونگ چیئر پر جھول رہا تھا کل کی وہ لڑکی اس کی نظروں میں ابھی تک گھوم رہی تھی۔

"بہت الگ سا انداز تھا اس کا، پہلی بار تھا کہ کسی لڑکی کے قریب بیٹھ کر اس کے اندر کسی خواہش نے سر نہیں اٹھایا، وہ صرف اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا کسی خوب صورت او تھیلو ڈرامے کی طرح۔

"میرا دل چاہتا ہے، میں تم سے ایک بار ملوں ایمان صفورا۔" وہ خود سے ہی بڑبڑایا اور تبھی اس کے آفس کا دروازہ کھلا اور جوہی حماد اندر داخل ہوئی تھی۔

"ہائے ہینڈسم گائے۔" شہریار کھڑے ہو کر جوہی حماد سے بغل گیر ہوا دوستوں سے وہ بلا تخصیص صنف کے اسی گرمجوشی سے ملا کرتا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے آج کل!" جوہی حماد ستائشی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"آج بہت اسمارٹ اور ہاٹ لگ رہے ہو۔" اس نے اپنے لفظوں کو بہت سنبھالا دیا تھا اور شہریار ہنس پڑا تھا۔

"کیا ہوا آج کوئی شام غم منانے کو ملا نہیں جو مجھ پر جال پھینک رہی ہو۔" جوہی حماد کا قہقہہ بہت شوخ تھا، پھر مخمور آنکھوں سے دیکھ کر بولی تھی۔

"تمہیں کبھی اس کیٹگری میں رکھا نہیں ورنہ تمہاری کیا مجال کہ مجھے انکار کر سکتے۔"

"اچھا کیا بات ہے اتنا Attitude" دلچسپی سے دیکھا اور وہ مسکرائی۔

اب سکون ہے تو بھلانے میں ہے
لیکن اس شخص کو بھلائے کون؟

"کوئی گہری چوٹ ـــ؟" وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

اور جوہی حماد کسی بیک ندی کی طرح لہریں پیدا کرتی اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"پتا نہیں کون سی محبت تھی مگر آج تین سال بعد وہ بہت یاد آرہا ہے۔

تم نے محبت نہیں کی ورنہ لوگ کہتے ہیں ایک دفعہ کی محبت عمر بھر کے لیے کافی ہوتی ہے۔" جوہی حماد اس کی طرف دیکھ کر نشیلی مسکراہٹ سے بولی۔

"جب محبت کو مجھ سے محبت کرنے کی فرصت نہیں تو میں کیوں درد سر پالوں جو جب تک میرے ساتھ ہے اسے اپنا سمجھتی ہوں چلا جائے تو پھر کسی نئی پرسنالٹی سے اس کی محبت کو Replace کر دیتی ہوں۔"

"تم کتنی ظالم ہو پھر بھی کہتی ہو وہ تمہیں یاد آتا ہے۔"

"ہاں شاید اس لیے کہ وہ ایک بہت لوئر کلاس کا نوجوان تھا اس نے زندگی میں پہلی بار مجھے احساس دلایا کہ محبت کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے مگر۔"

"مگر کیا؟ تم پھر ملے کیوں نہیں؟"

"وہ ہی ہماری کلاس کی مادہ پرستی، بابا نے کہا وہ کتے بھی تبھی پالتے ہیں جب ان کی نسل کی طرف سے مطمئن ہوں۔"

"پھر ـــ" شہریار علی نے پھر سے توجہ دی تھی۔ اور وہ ہنس پڑی تھی۔

"پھر کیا میں نے دل سے پوچھا کیا مجھے اس سے محبت ہے میں اس کے لیے کیا کیا چھوڑ سکتی ہوں تو دل نے کہا، کچھ بھی نہیں، آسائشات کی مجھے

اتنی عادت ہو گئی ہے کہ مجھے محبت سے دستبردار ہونا زیادہ آسان لگا۔"

"تم نے واقعی اس سے محبت کی تھی۔" شہریار علی نے پوچھا۔ جوہی حماد نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"محبت! میرے لیے محبت عادت کی طرح ہے جسے ہم خوش دلی سے اپناتے ہیں اور کسی دن بہت بے دلی سے چھوڑ دیتے ہیں۔" شہریار علی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اس کی آنکھوں میں لہجے کی سرد مہری نہیں تھی 'بینائی کسی کے چہرے کا سارا سونا پی کر فقیر بن کر اسی کے دیدار کی حسرت میں بیٹھی تھی۔

"تم اسے کبھی نہیں بھول سکو گی کیونکہ تم نے اس سے کبھی محبت ہی نہیں کی۔" شہریار علی نے سچ چھپا کر ایک دھوکہ دیا 'وہی ایک دھوکہ جو جوہی حماد تین سال سے خود کو دیتی آرہی تھی۔

"بہت عجیب سی باتیں کرتا تھا وہ 'ایک چھوٹا سا گھر دو پیارے پیارے بچے سنہری شامیں ' ترنگ بھری صبحیں بہت چھوٹے چھوٹے خواب دیکھتا تھا ' دکھاتا تھا ' مگر تمہیں پتا تو ہے ہماری سوسائٹی میں ان چھوٹے چھوٹے خوابوں کی کوئی جگہ نہیں۔"

"اور خود تمہارے لیے؟ تمہارے لیے بھی ان خوابوں کی کوئی اہمیت نہیں جوہی۔" جوہی نے نفی میں سر ہلا کر ہنسنے کی کوشش کی مگر اس کی آنکھیں رونے لگی تھیں۔

"تم رو رہی ہو۔" شہریار علی نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں تو 'میں کیوں رووں گی 'شاید آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے۔" وہ ٹشو سے آنکھیں صاف کر رہی تھی اور شہریار نے کافی کے کپ دیکھ کر یکدم غصے میں پیون کو ڈانٹ دیا تھا۔

"مس سرفراز کو اندر بھیجنا۔"

تھوڑی دیر بعد ایک لڑکی سہمی ہوئی اندر داخل ہوئی جوہی حماد حیرت زدہ شہریار علی کو دیکھ رہی تھی۔

"چھوڑو شہریار۔"

"نہیں جوہی جب میں نے ان محترمہ کو آفس میں رکھا ہی اس لیے ہے یہ میٹنگز روم میں آفس میں کراکری اور ریفریشمنٹ 'مینجمنٹ کا خاص خیال رکھیں گی۔ پھر یہ کپ؟ کیا یہ کپ شہریار علی کے آفس کی زینت بننے کے قابل ہیں 'مس سرفراز ایسے کپ صرف آپ جیسے ایمپلائز کے گھروں میں یوز ہو سکتے ہیں میرے آفس میں ان کی جگہ ہے نہ آپ جیسے ان مینرڈ لوگوں کی جنہیں بڑے بڑے آفسز میں کام کرنے کی تمیز نہیں آپ اپنا حساب کر سکتی ہیں۔"

"سر پلیز۔" وہ لڑکی ملتجی ہوئی تھی اور وہ شاہانہ انداز میں بولا تھا۔

"تو آپ جا سکتی ہیں اور پلیز یہ ڈرٹی کپز بھی لے جاؤ اس میں میں چائے نہ پیوں اور آپ میرے دوستوں کی انسلٹ کرنے چلی آئیں۔" وہ لڑکی چلی گئی تھی اور جوہی حماد نے نرم لہجے میں کہا۔

"آج تم نے حد سے زیادہ غصہ کیا 'اگر اس سے غلطی ہو ہی گئی تھی تو اسے ایک موقعہ تو دینا چاہیے تھا۔"

"میری ڈکشنری میں غلطی کی گنجائش ہے نہ غلطی معاف کرنے کی۔" وہ کہہ کر مڑا تھا اور تبھی اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھایا۔

اس نے کرسی کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنی کمزوری جوہی حماد پر ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔ جوہی حماد اٹھ کر چلی گئی تھی 'تب وہ آفس سے نکل کر ڈاکٹر راشد کیانی کے ہسپتال کی طرف بھاگا 'اپنی زندگی کی سب سے رش ڈرائیونگ کرتا شارٹ کٹ ڈھونڈتا۔

ڈاکٹر راشد کیانی ایک آپریشن میں مصروف تھے ان کے معاون ڈاکٹر نجم الزمان نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ بہت پریشان نظر آرہے ہیں مسٹر شہریار۔"

اس نے کچھ نہیں کہا مگر بہت سارا پانی اس کی آنکھوں میں در آیا۔

"اگر میں مر جاؤں تو دادو کا کون خیال رکھے گا۔"

اس نے کرسی پر بیٹھ کر پہلی بار اپنی زندگی کے سب سے حیرت زدہ کر دینے والے احساسات میں خود کو ڈوبتے

ابھرتے دیکھا تھا۔

"آج اپنی موت کے ماتم کے ــــ خیال میں وہ اپنی موم کو نہیں سوچ رہا تھا۔

یہ دل اس کے کہنے میں کیوں نہیں رہا تھا 'اس ہستی کو کیوں سوچ رہا تھا جس سے وہ سب سے زیادہ نفرت کرتا تھا ' تو کیا اسے اب تک دھوکہ ہوا تھا کہ اسے عائشہ خاتون سے نفرت تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ یکدم اٹھ کر ایک کمرے کی طرف بڑھی تھیں یہ کمرہ آج تک ویسے ہی منتظر تھا کسی کے وجود کا جیسے اس کی زندگی میں اس کے وجود سے منور رہتا تھا۔

لاک کھول کر وہ اندر داخل ہوئیں سامنے ہی دیوار پر ایک بہت بڑی سی تصویر آویزاں تھی ان کے ہنستے مسکراتے خوبرو علی جواد کی تصویر مگر پہلے یہ ایک جیتا جاگتا وجود تھا ' حرارت اور محبت سے بھرپور 'وہ علی جواد کے بیڈ پر بیٹھ گئیں اور جیسے وہ اچانک چھلانگ مار کر اپنے بیڈ پر آن گرا۔

"امی جان آج پتا ہے کیا ہوا۔" عائشہ خاتون نے ہلکا سا سر موڑ کر اس وجود کو ممتا سے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے۔" سوال اور پھر ایک طویل داستان در داستان اسکول کی پوری روداد 'یہاں تک کہ وہ کالج میں چلے گئے مگر ان کی عادتیں نہیں بدلیں 'کبھی کبھی وہ ان کی خود سے لگاوٹ اور محبت سے گھبرا جایا کرتی تھیں '

"اکیلا رہنا سیکھو علی۔"

"کیوں؟ کیوں ــــ اکیلا رہنا کیوں سیکھو مما جانی۔"

وہ ان کی بات نہیں سمجھتے تھے تب ایک دن وہ جب ان کی گود میں سر رکھے لیٹے تھے انہوں نے علی جواد کو سمجھایا تھا۔

"لوگ مر جاتے ہیں تب بھی انسان کو جینا پڑتا ہے نا علی۔"

"لوگ 'کون لوگ مر جاتے ہیں۔" نیا سوال ہوا۔

"سب لوگ مر جائیں گے 'سب لوگوں کو مر جانا ہے علی۔" وہ مدھم سا ان کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے بولی تھیں اور علی جواد نے ان کے رخسار کو چھو کر محبت سے کہا تھا۔

"جب سب لوگ مر جائیں گے 'سب لوگ مر جاتے ہیں تو ہم آج کیوں غم کریں۔"

"فرض کرو کل 'میں نہ ہوں تو۔" علی جواد یکدم ان کی گود سے تیر کی طرح اٹھ بیٹھے تھے۔

"مجھے آپ سے بات نہیں کرنی آپ کتنی ظالم مما ہیں 'آپ کو ذرا خیال نہیں میرا 'ساری دنیا نے مرجانا ہے بھلے میں بھی مرجاؤں مگر آپ نے زندہ رہنا ہے ' آپ نہیں ہوں گی تو آپ کے علی کو کون یاد کرے گا۔"

"علی ــــ" انہوں نے گھبرا کر انہیں سینے سے لگا لیا اور علی جواد ہنس پڑے تھے۔

"ہوا نا دل پریشان لگا نا دل کو دھکا۔ پھر مجھ پر ظلم کیوں کرتی ہیں اتنی غلط بات کر کے۔" انہوں نے عائشہ خاتون کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

"میں نے ہمیشہ اللہ جی سے کہا ہے میری ماں کو اتنی حیاتی دے کہ ان کی محبت کی حدود صبح سے شام تک میری زندگی کو سرور بخشے میری زندگی چاہے ختم ہو جائے مگر ان کی محبت ختم نہ ہو۔"

"اچھا اگر میں کبھی تم سے محبت کرنے سے انکار کردوں 'چھوڑ دوں تمہیں تو؟" عائشہ خاتون نے ان کی محبت کا حظ لیا اور علی جواد نے ان کے دونوں ہاتھ تھام کے کہا۔

"جس دن آپ نے اپنے علی کو اپنی محبت سے بے دخل کیا اس دن آپ کا علی مر جائے گا امی جان۔" وہ بہت لاڈ میں ہوتے تو انہیں امی جان ہی کہتے تھے وہ اس جواب پر ہنس پڑی تھیں 'انہوں نے ان کے بال بگاڑ دیے تھے وہ آج بہت خوش تھیں کہ محبوب شوہر کے بعد انہیں اتنی محبت کرنے والی اولاد ملی تھی جس پر ان کی ساری دوستیں رشک کرتی تھیں۔

"اولاد ہو تو علی کی طرح ورنہ نہ ہو۔" سب ہی کی ان کی اولاد کے بارے میں یہ حتمی رائے تھی اور وہ خود بھی اس رائے سے متفق تھیں 'شوہر کا بزنس جس طرح انہوں نے سنبھالا تھا گھر اور آفس کو جس طرح

ٹائم دیا تھا اب محض سیکنڈ ایئر میں اسی آفس میں باس کی کرسی پر بیٹھ کر علی جواد جس طرح فیصلہ لیتے تھے وہ ان کی محنت کو آسودگی بخشتے تھے' وہ ساری دنیا چلا سکتے تھے مگر ان کی سانس رکتی تھی تو اپنی ماں کی جدائی پر چاہے وہ عارضی ہوتی چاہے دائمی۔

ان دنوں بھی وہ ایک بزنس کانفرنس اٹینڈ کر کے ایک ہفتے بعد لوٹی تھیں تو ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی راشد کیانی' علی جواد کے سرہانے بیٹھے تھے۔

"کیا ہوا ہے اسے اور تم نے مجھے فون کر کے بتایا کیوں نہیں کہ اس کی طبیعت خراب ہے۔" راشد کیانی شرمندگی سے بولے۔

"آنٹی' علی نے خود منع کیا تھا کہہ رہا تھا آپ کو پریشان نہ کیا جائے۔" راشد کیانی کھڑے ہوئے تھے اور وہ علی جواد کے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"علی ـــ علی ـــ آنکھیں کھولو بیٹا دیکھو تو تمہاری مما جان آ گئی ہیں۔" وہ ہولے ہولے علی کا رخسار چھو رہی تھیں تب علی جواد نے آنکھیں کھولی تھیں اور اٹھ کر ایک دم سے ان سے لپٹ گئے تھے۔

"مما جانی آپ کہاں چلی گئی تھیں' آپ کو پتا ہے' میں آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ کچھ نہیں بولیں مگر پہلی بار انہیں علی جواد کی اس جنونی محبت سے خوف آیا تھا۔

"یہ میرے بغیر نہیں رہ پاتا لیکن کبھی اسے میرے بغیر رہنا تو پڑے گا نا راشد اسے میرے بغیر رہنے کی عادت ہونی چاہیے' ورنہ یہ زندگی کیسے گزارے گا۔" انہوں نے اپنا خوف راشد کیانی پہ ظاہر کیا اور پھر یہ ان کی ہی تجویز تھی کہ علی کو اعلا تعلیم کے لیے باہر بھیج دیں۔

"مگر میں اسے اکیلا کیسے بھیج دوں' میرے علی کا دل بہت سادہ ہے وہ پوری طرح مجھ پر انحصار کرتا ہے' اسے دنیا فیری لینڈ لگتی ہے جہاں صرف اس کی ماں جیسی نیلم پری ہوتی ہے یا ماں ہی جیسی دوسری ہستیاں وہ دنیا کو اب تک ایک معصوم بچے کی طرح دیکھتا ہے' ایسے سادہ دل کو میں کیسے دیارِ غیر ـــ بھیج دوں۔"

"میں وہاں جا رہا ہوں آنٹی' وہاں میرے چچا جان کا بزنس سیٹ ہے ہم دونوں آرام سے ایک دوسرے کے ساتھ رہ لیں گے۔"

"ہاں شاید وہ میرے بعد اگر کسی پر اعتبار کرتا ہے کسی کے بغیر نہیں رہ سکتا تو وہ صرف تم ہو۔"

اور بس اس دن کے بعد عائشہ خاتون نے خاموشی سے ان کی روانگی کی تیاری شروع کر دی تھی' پاسپورٹ پر وہ چونکے تھے۔

"اپنے ملک میں رہنے کے لیے پاسپورٹ کی ضرورت نہیں ہوتی امی جان۔"

"ہاں مگر باہر جانے کے لیے ہوتی ہے۔" وہ ان کے لیے کی جانے والی شاپنگ کے کپڑے ان کی الماری میں رکھ رہی تھیں' علی جواد نے' یکدم ان کے ہاتھ سے اپنی شرٹ کھینچ کر بیڈ پر اچھال دی تھی۔

"کون جا رہا ہے باہر۔" ان کا لہجہ روٹھے ہوئے بچے کی طرح تھا۔

"آپ جا رہے ہیں باہر' آپ اور راشد!"

"راشد بھلے جائے مگر علی جواد کہیں نہیں جا رہا ہے۔" انہوں نے عائشہ خاتون کے گلے میں لاڈ سے بانہیں ڈال دی تھیں۔

"مجھے آپ کے بغیر کہیں نہیں رہنا' دنیا میں نہ جنت میں۔"

"فضول مت بولیں۔ آپ جا رہے ہیں اور یہ میرا حکم ہے۔" علی جواد صوفے پر بیٹھ گئے تھے' پھر انہوں نے ناراضی اوڑھ لی عائشہ خاتون نے لاکھ منایا راشد کیانی نے بات کلیئر کی' مگر وہ ناراض رہے تھے پھر ایئرپورٹ پر کھڑے تھے جب یکدم وہ عائشہ خاتون سے لپٹ گئے۔

"امی جان پلیز مجھے روک لیں میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا' دیکھیے گا میں آپ سے دور رہا نا تو بہت جلدی مر جاؤں گا۔"

"اللہ نہ کرے علی۔" انہوں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھا اور وہ پھر سے ناراض ہو گئے تھے۔

"بہت ظالم مما ہیں آپ' دوسری مائیں بچوں کو

یوں بھینچ بھینچ کر رکھتی ہیں اور آپ ـــ" ان کی آنکھوں میں آنسو بھی امنڈ آئے تھے۔

"ہاں ہوتی ہیں کچھ ایسی مائیں مگر انہیں اپنی اولاد سے محبت نہیں ہوتی ہو گی۔"

"خود سے دور کرنے میں کہاں سے محبت آ گئی' ہم جس سے محبت کرتے ہیں ہر وقت اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں مما جانی۔" وہ پھر لڑ پڑے تھے معصوم سی لڑائی۔ انہوں نے علی جواد کو خود سے قریب کیا تھا۔

"ہاں تم صحیح رہے ہو مگر کبھی کبھی دور جانا ضروری ہوتا ہے' سفر وسیلہ ظفر نہیں سنا۔" ان کی پیشانی پر پیار کر کے پھر سے بولیں۔

"مگر تم مجھ سے دور جا رہے ہو تو کیا میں اکیلی ہوں گی تمہارا خیال تمہاری باتیں ہر وقت میرے ساتھ تمہاری باتیں کیا کریں گی۔"

"پھر آپ بھی میرے ساتھ چلیں نا پلیز مما جانی۔"

"میں آپ کے ساتھ تو ہوں۔" انہوں نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر جذب سے کہا تھا۔

"اس دل میں' میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں' ہم ہر روز فون پر باتیں کیا کریں گے' ہر روز ملا کریں گے۔" انہوں نے علی جواد کو بہلایا تھا پھر وہ جو بہادری سے علی جواد کو دور کرنے کا فیصلہ کر چکی تھیں خود ان کے لیے بیٹے سے دور رہنا مشکل ہو گیا تھا' شروع شروع میں علی نے بہت والہانہ پن دکھایا تب انہوں نے راشد کو فون کیا۔

"وہ دیارِ غیر ـــ جا کر بھی مجھے نہیں بھول رہا' تم اسے اسٹڈیز کے بعد بھی ایکٹوٹی میں انوالو کرو راشد تاکہ اس کا مجھ پر انحصار کم سے کم ہو' وہ اپنے فیصلے اکیلے کرنا سیکھے۔"

راشد نے اسی وجہ سے وہاں کی دو تین اچھی لائبریریز کی ممبر شپ حاصل کی تھی وہ ان کے ساتھ انگلینڈ کی گلیوں میں گھوما کرتے تھے اور علی جواد بہت مصروفیت سے جب بھی سر اٹھاتے ان کا ایک جملہ ہوتا۔

"مجھے امی جان بہت یاد آ رہی ہیں' میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتا راشد۔"

"کوئی کسی کے بغیر نہیں رہ سکتا مگر رہنا پڑتا ہے تم یوں سوچو آنٹی ہیں ہی نہیں۔"

"راشد ـــ" وہ یکدم بکس چھوڑ کر اٹھ گئے تین دن تک راشد سے انہوں نے بات نہیں کی تھی پھر بہت منت سماجت کے بعد مانے تھے۔

عائشہ خاتون اب بہت کم رابطہ کرتی تھیں' علی جواد کا فون آتا تب بھی بے قراری سے اٹینڈ نہیں کرتی تھیں' کبھی کبھی فارغ ہونے کے باوجود۔ سیکریٹری سے کہلوا دیتیں کہ بزی ہیں یہاں تک کہ وہ تیئس سال کے بھرپور جوان ہو کر لوٹے تھے انہیں لگا تھا ان کی محنت ضائع نہیں گئی' وہ بہت بردبار' سنجیدہ ہو گئے تھے ان کا والہانہ پن اب ویسا نہیں تھا' مگر چار دن بعد وہ حیرت زدہ رہ گئیں' جب علی جواد ماضی کے علی جواد بن کر ان سے لپٹ گئے تھے۔

"مجھ سے نہیں ہوتی اوور ایکٹنگ آپ کی مرضی پر میں نے خود کو بہت روکا بہت بدلا مگر میں آپ سے دور رہنا اب تک نہیں سیکھ پایا ہوں امی جان۔" انہوں نے والٹ نکال کر ان کی تصویر ان کے سامنے کی تھی۔

"میں گھنٹوں اس تصویر سے باتیں کرتا تھا' کتنی ہزار ہا نیندیں قرض ہیں آپ پر' آپ کو پتا بھی ہے۔" وہی معصوم مسکراہٹ الوہی لہجہ وہی چمکدار آنکھیں انہیں بے اختیار اپنے بیٹے پر پیار آ گیا وہ بھی تو علی کے بغیر ابھی تک جینا نہیں سیکھی تھیں۔

"شادی کر دو بیوی بچوں میں لگے گا تو خود پریکٹیکل ہو جائے گا۔" ایک دوست نے مشورہ دیا' وہ واقعی آنکھوں ہی آنکھوں میں کئی لڑکیاں علی جواد کے ساتھ رکھ رکھ کر پاس یا فیل کرنے لگی تھیں' پھر وہ اس کام میں مگن ہی تھیں کہ علی جواد نے ایک دم سے ایک لڑکی کو ان کے سامنے لا کھڑا کیا۔

"یہ مہرانو ہیں میری پرائی کالج فرینڈ۔" عائشہ خاتون نے چہرہ دیکھا' چہرہ ماہتاب تھا مگر انہیں مہرانو سے مل کر کوئی اچھا تاثر نہیں ملا تھا۔

"زندگی میں پہلی بار آپ نے فیصلہ لیا اور وہ بھی اپنی

ماما کو شامل کیے بغیر۔" علی جواد جو دوسرے دن آفس فائلز دیکھ رہے تھے یکدم اٹھ کر ان کے پاس آگئے پھر ان کے قدموں میں کارپٹ پر بیٹھ گئے۔

"یہ میری پسند ہے مگر آپ کے فیصلے سے مشروط ہے میرا فیصلہ میں نے مہربانو سے کوئی عہد یا وعدہ نہیں کیا ہے امی جان میں نے ان سے کہا ہے میں آپ کو امی سے ملوا دیتا ہوں مگر آخری فیصلہ میری ماں کا ہو گا اگر وہ ہاں کہیں گی تو ہاں اگر نہ کہیں گی تو نہ۔"

"اتنا چاہتے ہو اپنی مماجانی کو۔" انہوں نے وفور جذبات سے اپنے خوبرو بیٹے کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کی رحل پر رکھا تھا اور ان کا وہی سادہ محبت سے چور لہجہ تھا۔

"دنیا میں مجھے آپ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں مہربانو تو کیا اگر آپ نہ ہوں تو مجھے اپنی زندگی بھی عزیز نہیں امی جان۔"

"کیوں کرتے ہو اتنی محبت مجھ سے؟"

"پتا نہیں مگر بس کرتا ہوں محبت۔" انہوں نے اپنا سر عائشہ خاتون کے گھٹنے سے ٹکا دیا۔ پھر وہ انکار کیوں کرتیں ' ان کے بیٹے نے دھونس سے دھمکی سے نہیں اپنی بے لوث محبت سے اپنی ماں کی نہ کو ہاں میں بدل دیا تھا اور چند ماہ بعد مہربانو ان کے گھر میں تھیں۔

علی جواد دونوں کے ساتھ خود کو احسن طور پر بانٹ چکے تھے مگر مہربانو کی حاسدانہ طبیعت گھر میں نئے سے نئے ہنگامے کو جنم دیتی رہی تھی ' عائشہ خاتون ہمیشہ چپ رہتی تھیں اور مہربانو کو یہی بات کھلتی تھی ان کی لڑائی میں ٹوئسٹ نہیں آپاتا تھا علی جواد ہمیشہ عائشہ خاتون کی سائیڈ لیتے تھے جو مہربانو کو زہر لگتا تھا ' مگر پھر انہوں نے چپ سادھ لی اب وہ بہت دیر دیر تک باہر رہتے ' عائشہ خاتون بار بار فون کرتیں ' تب وہ بے قرار ہو کر گھر لوٹ آتے مگر کب تک ' شہریار دو برس کا تھا جب مہربانو نے اسے عائشہ خاتون کے پاس چھوڑا۔

"آپ کو تو بے بی سٹنگ کا بہت تجربہ ہے تا پال لیجیے اس کو بھی میں اب آپ کے بیٹے کے ساتھ نہیں رہ سکتی ' اس طرح کے ماما زبوائے نہ خود ڈھنگ سے جیتے ہیں نہ اپنی بیوی کو ڈھنگ سے رکھ پاتے ہیں پتا نہیں آپ نے ان کی شادی کی ہی کیوں تھی اگر ہر وقت ان کی جان سے چسٹ کر رہنا تھا۔" وہ لڑ کر چلی گئیں پھر ایک ہفتے بعد دوبارہ گھر میں ہنگامہ اٹھایا گیا انہوں نے عائشہ خاتون کو مزید بے عزت کیا تھا ان کے کردار کو اچھالا تھا انہیں ذلیل کیا تھا علی جواد جو دوسرے شہر میں تھے دو دن بعد آنے والے تھے مگر دو دن پہلے آگئے تھے مگر اس وقت تک مہربانو دل کی بھڑاس نکال چکی تھیں علی جواد سکتے کی کیفیت میں تھے اور عائشہ خاتون اتنی دل گرفتہ ہو گئی تھیں کہ ان کی خاموشی سے سمجھیں علی جواد ان کے ساتھ نہیں مہربانو کے ساتھ جا کر کھڑے ہو گئے ہیں مہربانو زہر اگل کر جا چکی تھی اور عائشہ خاتون نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا ' علی جواد دروازہ کھٹکھٹانے لگے تھے۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں امی جان میں تو آج ایک بہت ضروری بات آپ سے شیئر کرنے آیا تھا ' مجھے مہربانو کے کسی لفظ سے اتفاق نہیں ' پلیز دروازہ کھولیے امی جان۔" "مہربانو اس مقام پر نہیں آسکتی جہاں میرے دل نے آپ کو رکھا ہے اس مقام کو کوئی نہیں بدل سکتا ' امی جان پلیز دروازہ کھولیے۔"

"چلے جاؤ اس کے ساتھ رہو جا کر مجھے مہربانو کی ہر چیز سے نفرت ہے۔"

"میں مہربانو کی زندگی کا حصہ ضرور تھا مگر میں آپ کا ہوں امی جان پلیز دروازہ کھولیے مجھ سے خفا مت ہوں پلیز ' میں آپ کی ناراضی کے ساتھ جی نہیں پاؤں گا امی جان۔" وہ دروازہ کھٹکھٹاتے رہے اور پھر ان کے جاتے قدموں کی آواز آئی۔

آدھے گھنٹے بعد راشد کیانی کی آواز ان کے موبائل پر گونجی تھی۔

"علی کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے ' آنٹی۔" اور وہ فون رکھ کر پاگلوں کی طرح ہسپتال بھاگی تھیں وینٹی لیٹر پر تھے علی جواد۔

"علی ۔۔۔ علی آنکھیں کھولو دیکھو مجھے ' میں تم سے خفا نہیں ہوں پلیز آنکھیں کھولو ۔۔۔ علی ' علی۔"

راشد کیانی ان کے قریب آگئے وہ علی جواد پر جھکی ہوئی انہیں پکار رہی تھیں راشد کیانی کے ہاتھوں نے انہیں اپنے حصار میں لیا تھا پھر دل گیری سے بولے تھے۔

"آنٹی یہ صرف وینٹی لیٹر پر زندہ ہے ورنہ مینٹلی طور پر یہ مر چکا ہے۔"

"نہیں ' میرا علی زندہ ہے اسے کچھ نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے راشد کیانی کے ہاتھ جھٹک دیے تھے اس تلخ سچ سے مکرنے کی کوشش کی تھی مگر پھر پورے ایک ماہ دس دن بعد وہ علی جواد کے سرہانے بیٹھی تھیں۔

"میں نے تمہیں اللہ کے سپرد کیا میں تمہاری ماں ہوں ' تمہیں اتنی تکلیف میں کب تک اپنی ممتا کی تڑپ میں روکے رکھوں گی ' تم جاؤ علی۔ میرا انتظار کرنا ہم جنت میں بہت جلد ملیں گے۔" انہوں نے ان کے کان میں حال دل کہا ' علی جواد کے ہاتھ چومے ' ان کی پیشانی پر آخری بوسہ لیا اور پیرا میڈیکل اسٹاف آہستہ آہستہ علی جواد کو وینٹی لیٹر کے گورکھ دھندے سے نکال رہا تھا ' مصنوعی تنفس کے بغیر وہ زندہ ہی کب تھے وہ ایک ماہ دس دن پہلے مر چکے تھے۔

علی جواد ۔۔۔ وہ دل کے آنگن میں اکیلی تڑپ کر روئیں اور آج اتنے برسوں بعد بھی اسی دن کی طرح تکلیف اپنے سینے میں محسوس کر رہی تھیں۔

"اگر آپ نہ ہوں گی تو آپ کے علی کو کون یاد کرے گا۔"

"کیا صرف میں تمہیں یاد کروں ' کیا تم نے بھی مجھے یاد کیا ہے علی۔" وہ ان کا جملہ یاد کر کے علی جواد کے سائیڈ ٹیبل پر فوٹو فریم کو چھو کر نئے سرے سے لڑنے لگی تھیں ' تبھی نینی گھبرائی ہوئی سی ان کے سامنے آئی تھیں۔

"مادام شیری بابا ' بہت اپ سیٹ ہیں وہ صوفے پر آڑے ترچھے لیٹے ہیں کسی بات کا جواب بھی نہیں دے رہے ہیں۔"

وہ دیوانوں کی طرح اٹھی تھیں اور شہریار کو دیکھ کر ان کا دل رکنے سا لگا۔

"شہریار ۔۔۔ کیا ہو گیا ہے شہریار۔" مگر وہ ان کو دیکھ کر تیزی سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف بھاگا تھا اور عائشہ خاتون پر بالکل اسی طرح دروازہ بند کر دیا جس طرح بہت سالوں پہلے انہوں نے اپنے علی پر دروازہ بند کر دیا تھا وہ نہیں جانتی تھیں کہ وہ صرف اپنے کمرے کا ہی نہیں زندگی کا دروازہ بھی ان پر بند کر رہی ہیں۔

"شہریار دروازہ کھولو ' مجھے بتاؤ تو ہوا کیا ہے شہریار۔" اور شہریار ' اس نے اپنے کمرے میں لگی مہر بانو کی دی ہوئی ہر چیز توڑ پھوڑ دی تھی ' سارے فوٹو فریم زمین بوس کر دیے تھے۔

"مجھے نفرت ہے آپ سے مماجانی ' سخت نفرت آج مجھے شدت سے اپنے پاپا یاد آرہے ہیں وہ کتنے معصوم کتنے سادہ دل تھے کہ آپ کی محبت سے ہار گئے شاید یہ وراثت میں ملا ہے کہ میں دادو کی محبت میں پل کر جوان ہوا مگر پاپا کی طرح مجھے بھی صرف آپ سے محبت رہی ' صرف آپ سے۔" وہ زمین پر بیٹھ کر زمین آسمان ایک کر کے رویا تھا اور پھر روتے روتے ایک دم سے زمین پر گر گیا دادو نے دوسری طرف کھڑکی سے یہ منظر دیکھا تھا اور سارے ملازمین کی فوج لگا کر اس کا دروازہ توڑا تھا۔

دادو اسے ہاسپٹل لے کر بھاگی تھیں اور راشد کیانی اسے ایمرجنسی میں دیکھ کر گھبرا گئے تھے پھر چیک اپ کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

"یہ صرف بے ہوش ہوا ہے وگرنہ میں سمجھا تھا شاید۔"

"کیا سمجھے تھے شاید۔" عائشہ خاتون کی سانس رکنے لگی۔

"آنٹی آپ بہت حوصلہ مند خاتون ہیں میں جانتا ہوں۔"

"راشد تم مجھ سے ایسی کوئی بات نہ کرنا جو میں نے کبھی خواب و خیال میں بھی نہ سوچی ہو۔"

"آنٹی شہریار ایک ہفتے پہلے طبیعت کی خرابی کی وجہ سے ہاسپٹل آیا تھا اس کے ہم نے بہت سارے ٹیسٹ کیے تھے اور کل ہی وہ ساری رپورٹس مجھے ملی

ہیں۔"

"تو۔۔۔؟" عائشہ خاتون ہونق ہو کر کوریڈور میں پڑی ویٹنگ چیئر پر بیٹھ گئی تھیں۔

"شہریار کو ٹیومر تشخیص ہوا ہے۔"

چھن چھناک۔۔۔ عائشہ خاتون کے دل میں جانے کتنے خواب ٹوٹ گئے تھے۔

"لیکن آپ گھبرائیں نہیں ابھی اس کا علاج ممکن ہے شاید صرف دواؤں سے سب کنٹرول ہو جائے۔" عائشہ خاتون کچھ نہیں بولیں بس صدماتی کیفیت میں بیٹھی رہ گئیں۔

"میرے اللہ اتنی بڑی آزمائش مجھ پر مت ڈال علی کی جدائی سہہ لی تھی مگر اولاد کی اولاد' رحم فرما میرے اللہ رحم فرما۔" وہ گڑگڑائی تھیں' تبھی' راشد کیانی نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اسے ہوش آگیا ہے مگر اسے جلد سے جلد ٹریٹمنٹ شروع کروا دینی چاہیے آپ سمجھ رہی ہیں نا۔" وہ سر ہلا کر اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں وہ سیدھا لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔

"گھر چلیں شہریار۔۔۔" انہوں نے اس کا رخسار چھو کر پوچھا اور اس نے کوئی سخت ردعمل دیے بغیر' کسی معمول کی طرح سر ہلایا تھا اور اٹھ کر بیڈ سے نیچے اتر آیا تھا' ننگے فرش پر بغیر جوتوں کے ٹھنڈک اس کے دل میں بیٹھی ٹھنڈک سے گلے مل رہی تھی آئس برگ کا کوئی ٹکڑا تھا جو دل میں انی کی طرح چبھ گیا تھا اور وہ جتنا اس کیفیت سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مارتا اتنا ہی اس کا دل ٹھنڈا ٹھار برف کا ٹکڑا بنتا جاتا تھا وہ گاڑی میں عائشہ خاتون کے ساتھ بیٹھا تھا مگر اسے لگ رہا تھا وہ ابھی تک مہرانو کے ڈرائنگ روم کے باہر کھڑا ان تلخ باتوں کی طوفانی بارش میں بھیگ رہا ہے۔

"تم سے زیادہ کوئی چالاک نہیں ہے مہرانو جس طرح علی کے بعد بھی تم نے اپنے مہرے چلے ہیں وہ صرف تمہارا ہی کمال ہے۔" مہرانو کا استہزائیہ قہقہہ گونجا۔

"وہ بے وقوف سمجھتا ہے مجھے اس سے جینے مرنے والی ممتا بھری محبت ہے' نہیں جانتا اگر مجھے اس سے محبت ہوتی تو کیا میں اسے عائشہ خاتون کی گود میں پھینک کر آتی۔"

"کیا تم نے کبھی اس سے محبت بھی کی ہے۔" سوال ہوا۔

"مجھے صرف دولت سے محبت ہے جس کے پاس دولت ہے مجھے صرف اس سے محبت ہے' رضوان کو یہی تو گلہ ہے میں اس سے اب پہلے جیسی محبت نہیں کرتی مگر کیا کروں جو مجھے آسائشات نہیں دے سکتا میری زندگی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔"

"کتنا پیسا چاہیے تمہیں جینے کے لیے۔"

"اتنا کہ زندگی ختم ہو جائے پیسہ کبھی ختم نہ ہو۔"

"تم بہت لالچی عورت ہو مگر پھر بھی میری کمزوری بن گئی ہو۔ تمہیں ہنر آتا ہے لوگوں کا دل مٹھی میں کرنے کا۔" وہ اندر جانا چاہتا تھا جب کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اب وہ اسٹڈی روم میں بیٹھا تھا اور رضوان انکل ڈرنک کرتے ہوئے بے بسی سے بولے تھے۔

"زندگی میں کون کہتا ہے مکافات عمل نہیں ہوتا' مجھے دیکھو میں ہوں عبرت نگاہ شہریار علی جواد' جس جگہ یہ ارباب بیٹھا ہے بالکل اسی جگہ کبھی میں بیٹھا تھا میں اور علی بزنس میں پارٹنر تھے وہ سیدھا سچا دل تھا اور میں ایک کرپٹ انسان' میں نے اور مہرانو نے جی بھر کے اسے لوٹا' پھر اس دن پتا نہیں مجھے کیا ہوا میں نے مہرانو سے کہا مجھے تم سے شادی کرنی ہے' اس دفعہ بھی وہ لڑ جھگڑ کر آئی تھی' اسی وجہ سے میں نے لوہے کو گرم دیکھ کر چوٹ کی' مہرانو کے انداز میں ہمیشہ کی طرح خود سپردگی تھی' بس میں نے یونہی لاابالی پن سے بنا سوچے سمجھے علی جواد کا نمبر ڈائل کر دیا مہرانو کا نمبر دیکھ کر اس نے فوراً" کال ریسیو کی۔

"مہرانو۔۔۔" ان کے مہرانو کہنے میں جتنی شدت تھی میں آج بھی سوچتا ہوں تو میرا دل پگھل جاتا ہے مگر اس لمحے مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا صرف مہرانو کو پانے کی خواہش کے سوا اور مہرانو تلخی سے بولی تھی۔

"مجھے آپ سے معذرت کرنی ہے نہ کوئی دوسری بات کہنی ہے' میں صرف آپ سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا۔۔۔!" علی کی آواز مرنے لگی تھی اور مہرانو نے اس کو ڈس لیا تھا۔

"میں کہنا چاہتی ہوں مجھے طلاق چاہیے ایک پل بھی تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی اب۔"

"کیوں۔۔۔" ایک اور سوال ہوا۔

"مجھے تم سے شکایت یہ ہے کہ تمہیں بیوی سے بڑھ کر اپنی ماں سے عشق ہے اور میں خود کو ڈی گریڈ کرنا برداشت نہیں کر سکتی اور دوسری بات مجھے آپ سے محبت نہیں ہے۔"

"محبت نہیں ہے؟" علی کی حیرت اور افسوس بھری آواز ابھری۔ تبھی میں نے مہرانو سے موبائل چھین لیا۔

"ہاں اسے تم سے محبت نہیں ہے تمہارے ساتھ رہتے ہوئے اسے زندگی نے دیا ہی کیا ہے' وہ تمہارے ساتھ اب زندگی نہیں گزارنا چاہتی' تمہارے پاس دولت بھلے مجھ سے زیادہ ہو گی مگر مہرانو کے دل میں اب تم کہیں نہیں ہو' ہم شادی کرنا چاہتے ہیں ایک عرصے سے جو بات تم سے چھپاتے آرہے تھے آج طشت ازبام کرتے ہیں؟ مہرانو کو تم جلد سے جلد طلاق دو تاکہ ہم مل سکیں۔"

"مہرانو۔۔۔" بس یہ اس کے آخری لفظ تھے اور پھر پانچ منٹ بعد ہمیں اس کے روڈ ایکسیڈنٹ کی خبر ملی' علی جواد نے خودکشی نہیں کی تھی' اسے ہم دونوں نے مل کر قتل کیا تھا' علی جواد جیسے لوگ خودکشی نہیں کرتے بس چپ چاپ مر جاتے ہیں بغیر آواز نکالے شور مچائے۔ مہرانو فارملٹی پوری کرنے کی حد تک بھی علی جواد کے لیے نہیں جانا چاہتی تھی مگر علی جواد کے انشورنس کی رقم کے لیے وہ گئی تھی۔

پورے دو کروڑ کی رقم' عائشہ خاتون نے فارملٹی پوری کر دی تھی اور مہرانو دو کروڑ کی رقم کے ساتھ میرے پاس تھی۔

مگر اب میں قلاش ہو گیا ہوں' یہ گھر بینک کے پاس لون کے طور پر گروی ہے گاڑیاں بینک بیلنس قرض میں نیلام ہو چکا ہے تو یہ اس ارباب کے ساتھ بیٹھی ہے میرا دل چاہتا ہے میں اسے شوٹ کر دوں مگر میں بہت بزدل ہوں! اسے مار سکتا ہوں نہ خود کو مارنے کی ہمت ہے سو خاموشی سے اپنی اس موت کا انتظار کر رہا ہوں' جس نے کبھی علی کو ڈھانپ لیا تھا؟ شہریار تم بہت اچھے اور نیک انسان کے بیٹے ہو تمہیں یہ زندگی زیب نہیں دیتی' یہ سب مہرانو کی چال ہے وہ عائشہ خاتون کے خلاف تم کی مہرے کی طرح چلا رہی ہے تاکہ تم سے پیسے اینٹھتی رہے تمہیں برائیوں کی دلدل میں دھکیل دیا ہے اس نے' شہریار یہ ٹکے ٹکے پر بکنے والی عورتیں عائشہ خاتون جیسی عظیم عورت کی گھر گرہستی روندنے کے لیے نہیں بنی ہیں تمہارے لیے تو صبا حمزہ جیسی لڑکی ہونی چاہیے۔"

"صبا حمزہ۔۔۔؟ آپ کیسے جانتے ہیں اسے۔"

"مہرانو کے منہ سے تذکرہ سنا تھا اس کا خیال تھا اگر وہ تمہاری زندگی میں آگئی تو تم اس کے شکنجے سے نکل جاؤ گے۔"

"صبا حمزہ۔" نام کے ساتھ کسی کی آنسو بھری آنکھوں نے اسے گھیر لیا تھا اور آج اسے ان ہی آنکھوں کی بددعا لگ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

رخشی بہت دل سے کام کر رہی تھی جب ایمان صفورا نے دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

"اے سنو کیا تمہیں یہ سب سمجھ آتا ہے۔" اس نے ٹاک شو کی طرف اشارہ کیا جسے رخشی بار بار دلچسپی سے دیکھ اور سن رہی تھی مگر وہ کچھ بولی نہیں تھی تب اس نے سوال پھر کیا۔

"کچھ پوچھا ہے کیا تمہیں یہ سب سمجھ آتا ہے۔" رخشی پھیکے سے انداز میں مسکرائی تھی۔

"ہم کو یہ سب سمجھ آتا ہو تب بھی ہوتا تو وہی ہے نا جو آپ جیسے پڑھے لکھے لوگ کرنا چاہتے ہیں۔"

"انٹرسٹنگ..... ادھر آؤ' تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے رخشی کو اپنے پاس صوفے پر بٹھالیا تھا۔

"تم نے کتنا پڑھا ہے؟"

"اتنا جتنا زندگی جی لی ہے۔"

"واہ تم تو فلاسفر ہو۔"

"نہیں جی میں تو رخشی ہوں۔" ترنت جواب پر ایمان صفورا" قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ مزید باتیں کرتی وہی ملامت آمیز چہرے والی عورت ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔

"ایمی یہ سب کیا ہے میڈز کو بھی اتنے قریب نہیں بٹھاتے ان میں ہزار ہا جراثیم ہوتے ہیں۔"

"مگر خالہ جانی آپ ان ہی میڈز کے ہاتھوں سے بنایا گیا کھانا تو بڑے آرام سے کھا جاتی ہیں' اس وقت جراثیم کش خیالات کی چھٹی ہو جاتی ہے کیا۔"

"ایمی مجھے تم سے بحث نہیں کرنی تم ٹاک شو میں بحث کرتے کرتے گھر میں بھی ویسا ہی ایکٹ کرتی رہتی ہو۔"

"اوکے خالہ جانی نہیں کرتی چلو بھئی رخشی ہم سے ایک فاصلے پر رہو آج کے شہریار کا یہی حکم ہے۔" اس نے بات کسی اور حوالے سے کی تھی مگر شہریار سے اسے شہریار علی جواد یاد آگیا تھا۔

"خالہ جانی میں ابھی آئی ایک بہت ضروری کام یاد آگیا۔" وہ اٹھی اور تیار ہو کر اپنے آفس آئی پرنٹر سے اپنی نئی C.V نکالی اور شہریار علی کے آفس میں جا پہنچی۔

وہاں اس کا ٹاکرا' روبی سے ہو گیا تھا' روبی کسی زمانے میں اس کے چینل میں تھی۔

"تم اور یہاں؟ کیا ہمارے باس کا انٹرویو کرنا ہے ایمی ____"

"میں خاص لوگوں کے انٹرویو کرتی ہوں۔ ویسے تمہارا باس ہے کیسا....." وہ کرسی پر بیٹھ کر تجسس سے بولی۔

اور روبی کا برا سا منہ بنلوہ ہنس پڑی اور روبی بے دھڑک بولی۔

"ایک دم کھڑوس سب آفس میں نفرت کرتے ہیں اس سے کسی دن وہ دفتر نہ آئے تو سب ایک دوسرے کو ٹریٹ دیا کرتے ہیں اور روش کرتے ہیں' غصے کا تیز ہے زبان کا سخت ہے بد خلق انسان ہے سچ پوچھو تو پکا جہنمی ہے۔"

"جہنمی نہ بھی ہو تو میں اسے جہنم تک پہنچا کر چھوڑوں گی۔" دل میں اس نے سوچا اور C.V کا لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

"کوئی بھی ویکنسی نکلے پلیز مجھے انفارم کرنا مجھے اس آفس میں لازمی جاب چاہیے۔"

"خیر ہے شہریار علی سے کوئی پرانا حساب بے باق کرنا ہے کیا۔" وہ ہنس پڑی تھی۔

"ہاں ایسا ہی سمجھو۔"

"اوکے میں تمہیں جلد انفارم کروں گی کیونکہ باس کے غصے کی وجہ سے بہت کم لڑکیاں یہاں ٹک پاتی ہیں۔"

"اچھا تم پھر یہاں کیوں ٹکی ہوئی ہو؟ کیا شہریار علی سے دل لگا لیا ہے۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

"دل لگانے کے لیے شہریار علی رہ گئے ہیں' شہریار علی دنیا کا آخری مرد ہوتا تب بھی میں اس کا ساتھی بننے سے بہتر سمجھتی تنہا زندگی جینا۔" لحہ بھر کو ٹھہر کر پھر بولی۔

"یہاں سیلری بہت ہینڈسم ہے بس اسی لیے ٹکی ہوئی ہوں یار۔" شہریار علی جو کسی کام سے H.R ڈپارٹمنٹ میں آیا تھا اپنے بارے میں اپنے ملازمین کی رائے سن کر ساکت و صامت ہو گیا۔

"لوگ مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں اور میں سمجھتا تھا دنیا اس قابل نہیں کہ اسے میری توجہ حاصل ہو' میں سمجھتا تھا میں دنیا سے دور بھاگ رہا ہوں اور حقیقت یہ ہے کہ دنیا مجھ سے دور بھاگ رہی تھی۔" وہ وہیں سے پلٹ آیا تھا۔

اور پھر یہ تیسرے دن کی بات تھی جب روبی نے انفارمیشن سیکشن کے لیے کسی نئی اپائنٹمنٹ کے لیے

عرض گزاشت کی تھی' اس ڈیپارٹمنٹ کا کام ملکی و غیر ملکی وفد کو اپنی ترجیحات اپنے حاصل کیے گئے اہداف' فلیکس اور ای میل کرنا تھا' ان سب باتوں کا ڈیٹا رکھنا بھی اسی ڈیپارٹمنٹ کا کام تھا ایک ذیلی کام وفود کی نشست و برخاست کا انتظام بھی' ان کی کمپنی کی ترجیحات کیا ہیں اور ان کے کاروباری معاملات کس کس کمپنی کے ساتھ ہیں۔ اس ڈیپارٹمنٹ کی ہیڈ' ضیا مرزا' شہریار کی بری بھلی سن کر ریزائن دے کر جا چکی تھی اس لیے روبی کو ایمان صفورا کا خیال آیا تھا۔

روبی کی کال پر حکم شاہی کا اجرا ہوا تھا۔

"اوکے آپ پہلے سے موجود اس جاب کے لیے آئی درخواستیں آفس میں بھیجیں۔" سو یہ روبی کا کام تھا اس نے کچھ ایسی درخواستیں آگے کی تھیں کہ شہریار نے ایمان صفورا کو ہی کال کرنے کا حکم دیا تھا۔

"یہ مجھے کمپنی کے لیے بہتر لگ رہی ہیں آپ صرف انہیں ہی بلائیں پلیز۔" روبی نے مسکرا کے فون رکھ دیا تھا اور جب ایمان صفورا اس کے سامنے سیٹ پر آکر بیٹھی تو اسے ہلکا سا گمان بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ جان بوجھ کر ٹریپ کیا گیا ہے۔ وہ اس سے ڈیپارٹمنٹ کے کام کے حوالے سے سوال پوچھ رہا تھا اور وہ ریسرچ کرنے کی عادی اس کے کسی سوال پر اٹک نہیں رہی تھی۔ شہریار نے مسکرا کے اسے اوکے کر دیا تھا۔



وہ ہفتے میں دو دن ہسپتال میں گزارنے لگا تھا اور اب اسے دادو کی فکر لاحق ہو رہی تھی وہ پہاڑ تھا مگر صرف ایک بلاسٹ نے اس کے پرخچے اڑا دیے تھے دادو سے اس نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی تھی' خاموشی سے اپنی بیماری کو چھپا گیا تھا۔

"یہ باس ہفتے میں دو دن لازمی چھٹی کیوں کرتے ہیں۔"

"پہلے تو نہیں کرتے تھے مگر اب کرتے ہیں۔" روبی نے بے زاری سے کہا۔

"ہو گی اپنی کوئی خاص مصروفیت باس کی۔" روبی کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"یعنی تمہارے شہریار علی امرا کی ساری اچھی عادتوں سے بھرپور ہیں۔" وہ ہنس پڑی تھی۔

"تم بالکل ٹھیک سمجھی ہو اپنے باس بہت عاشق مزاج ہیں کہاں کہاں محبت کی داستان چھوڑ چکے ہیں انہیں خود یاد نہیں رہتا۔"

"گڈ یہ تو بہت مزے کی شخصیت ہیں پھر' ان پر تو ایک پروگرام ہونا چاہیے۔"

پھر بعد کے دنوں میں وہ تھی اور شہریار علی کی ہمنوائی شہریار علی اس کے کام سے بہت خوش تھا اب وہ لنچ بھی آفس میں ساتھ کرنے لگے تھے شہریار اس کی کہی ہر بات کو حرف آخر ماننے لگا تھا بہت کم وقت میں بہت تیزی سے اس نے سیڑھیاں چڑھی تھیں۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی جب شہریار علی نے نرم لہجے میں کہا۔

"مس ایمان جب آپ میرے قریب ہوتی ہیں تو مجھے لگتا ہے میں کسی بہت مضبوط حصار میں آگیا ہوں کسی دعا کے حصار میں۔" وہ پریشان ہو گئی' وہ غلط لائنوں پر جا رہا تھا وہ اسے روکنا چاہتی تھی جب اس نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کے کہا۔

"تمہاری طرف میرا دل آپ ہی آپ ہمکتا ہے مگر میرے دل میں تمہارے لیے ایسی کوئی خواہش جنم نہیں لیتی جیسی کسی لڑکی کو دیکھ کر ہمیشہ ہوا کرتی تھی' تمہارے وجود میں ایک مقدس تاثر ہے تمہاری عزت کرنے کو دل چاہتا ہے' اگر میری کوئی بہن ہوتی تو شاید بالکل تم جیسی ہوتی۔" ایمان صفورا کا دل یکدم تیز تیز دھڑکا تھا۔

"بہن ہوتی کیوں' بہن ہے تمہاری..... شہریار علی کیا تمہیں ہلکی سی شبیہ نہیں دکھتی پھلی جواد کی خالہ کہتی ہیں میری آنکھیں بالکل میرے پاپا پر گئی ہیں مگر تم نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔" اس کا دل چاہا جو وہ دل میں سوچ رہی ہے با آواز بلند بھی کہہ دے مگر یکدم اتنے سالوں پرانی نفرت کی دیوار حائل ہو گئی تھی۔ تین ماہ

کے عرصے میں اس نے خاموشی سے اسے بہت نقصان پہنچا دیا تھا۔
کمپنی کا لیٹر ہیڈ، شہریار علی کے اسٹیمپ، اس کے دستخط وہ پتا نہیں کہاں سے کہاں نکل گئی تھی۔

"کیا میں آپ کو بہنا کہہ سکتا ہوں۔" وہ ملازمت سے بولا وہ چپ رہی تب اس نے دوبارہ بہتر انداز میں پیش قدمی کی تھی۔

"ایک مرد تین رشتوں کے آگے نرم پڑتا ہے ماں، بہن، بیٹی یہ تینوں رشتے اس کی سختی کو نرمی میں بدلتے ہیں بھی کبھی پورا کا پورا بدل دیتے ہیں مگر میرے پاس یہ تینوں رشتے نہیں تھے، اس لیے میں پتھر بن گیا سخت پتھر مگر آپ کی توجہ نے میرے اندر لچک ڈالی ہے میرے دل کو نرم کیا ہے، میرا دل چاہتا ہے رشتوں میں بندھ کر ان کا ذائقہ چکھنے کو۔۔۔ کیا آپ یہ رشتہ قبول کریں گی۔" ایمان نے سخت لہجے میں کہا۔

"نہیں، مجھے اکیلا رہنے کی عادت پڑ چکی ہے مسٹر شہریار مجھے رشتے نبھانے آتے ہیں نہ میں رشتوں کے سرد رد میں مبتلا ہونا چاہتی ہوں اور ویسے بھی زندگی میں وہی کامیاب ہے جو ظاہری سہاروں سے ٹریپ نہیں ہوتا۔" وہ کہہ کر کھڑی ہو گئی اور شہریار علی کا زرد چہرہ حسرت سے اس کی طرف مرتکز تھا وہ کوئی لفظ بول ہی نہیں پایا تھا مگر جب دوسرے دن اس کے ٹیبل پر اس کا استعفیٰ آیا تو وہ بے چین ہو گیا۔ ساری میٹنگز ملتوی کر کے وہ سی وی پر دیے گئے پتے پر پہنچا تھا۔

"آپ نے استعفیٰ کیوں دیا، پلیز ایمان اگر آپ چاہتی ہیں میں آپ سے باس والا رویہ ہی رکھوں تو میں ایسا ہی کروں گا، مگر آپ آفس مت چھوڑیں پلیز۔" اس نے شہریار علی کے سامنے چائے رکھی تھی مگر اپنا فیصلہ نہیں بدلا تھا۔

"میں پھر آؤں گا۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا تھا، تبھی اس کی دوست زاہدہ نے اس کے سامنے آ کر اسے خوب لتاڑا تھا۔

"کتنی غلطیاں کرے گی تو نے اپنی C.V پر میرا ایڈریس دیا میں نے کچھ نہیں کہا، تو نے اس کے جعلی دستخطوں سے دھوکے کیے میں چپ رہی مگر ابھی اس کے لہجے کو سمجھو وہ بالکل بے ریا ہے تجھ سے، وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ تو اس کی زندگی سے نہ جائے۔" اس نے جھکا سر اٹھایا اور چیختے ہوئے بولی۔

"مجھے نفرت ہے شہریار علی سے، مجھے نفرت ہے علی جواد سے۔"

☆ ☆ ☆

"آپ دادو کو یہ بات مت بتائیے گا ورنہ وہ میرے مرنے سے پہلے ہی مر جائیں گی انکل۔" ڈاکٹر راشد کیانی اپنے روم میں بیٹھے تھے اور انہیں علی جواد یاد آ رہا تھا وہی علی جواد جو چھوٹی چھوٹی شرارتیں کر کے بھی ان کی دوستی کے پیچھے چھپتا تھا۔

"پہلی بار اسموکنگ کی ہے امی جان کو پتا چلا تو جان سے مار دیں گی۔

آج تیری وجہ سے اتنی رات گئے سینما دیکھا ہے کمبائن اسٹڈی کا بہانہ بنا کر نکلا ہوں۔

نہیں راشد میں گول گپے نہیں کھا سکتا، تمہیں پتا تو ہے میرا گلا کتنا حساس ہے 'فورا" پکڑ جائے گا اس کھٹی چٹنی سے۔" مگر وہ اڑے رہے تھے تب ان کی ضد پر پہلی بار انہوں نے گول گپا منہ میں ڈالا تھا، جو آدھا ٹوٹ کر ان کی شرٹ پر گر گیا تھا اور اب ایک نیا خوف۔

"اس دھبے کو دیکھ کر تو امی جان کو فورا" پتا لگ جائے گا میں نے گول گپے کھائے تھے۔" راشد کیانی نے دلار سے کہا۔

"نہیں پتا چلے گا، تم کہنا راشد کھا رہا تھا اس نے پیالہ انڈیل دیا تھا مجھ پر۔" علی جواد اس آسان جھوٹ پر فورا" راضی ہو گئے اور پھر دونوں میں شرط لگ گئی تھی کہ کون زیادہ کھائے گا، راشد کیانی چٹو تھے وہ ہی جیتے تھے اور علی جواد دو پلیٹیں کھا کر ہی برا سا منہ بنا رہے تھے۔

"مجھے لگتا ہے مجھے الٹی ہو جائے گی۔"

"نہیں ہو گی میری دادی زندہ باد ان کا چورن ہے ہر پرابلم کا حل۔"

علی جواد پھر مطمئن ہو گئے پھر جب انہوں نے انگلینڈ میں پہلی بار ڈیٹ ماری تھی۔

اور آدھی ملاقات سے ہی واپس آ گئے۔

"میرے بس کا کام نہیں، وہ لڑکی بہت بے باک ہے اس نے میرا ہاتھ اتنی بے باکی سے پکڑا تھا کہ امی جان دیکھ لیتیں تو وہیں قتل کر دیتیں مجھے۔"

"تو وہاں آنٹی تھیں تو نہیں نا، تو موج کرتا، تو بھی تھوڑی بے باکی دکھا دیتا مجھے انگلش موویز کس لیے دکھاتا ہوں میں۔"

"راشد تم بہت گندے بچے ہو۔" ان کا چہرہ شرم سے سرخ پڑ گیا اور وہ کرید رہے تھے۔

"اور کیا کیا کرنا چاہتی تھی وہ میرے شہزادے کے ساتھ۔"

"بس چپ مجھے پڑھنے دو، ورنہ آپ کی آنٹی کو آپ کی شکایت لگا دوں گا میں۔" ان کی دھمکی بھی ان کی طرح معصوم ہوتی تھی۔ پھر ایک دن وہ ان کے سامنے کھڑے تھے۔

"مجھے پتا ہی نہیں چلا مجھے کب مہرانو سے محبت ہو گئی، ہم صرف دوست بن کر ملے تھے مگر راشد نہ جانے وہ کب اتنی ضروری ہو گئیں کہ میں زندگی میں ان کے بغیر کوئی قدم اٹھانے کا سوچتا ہوں تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔"

"آنٹی سے ملا دے مگر عہد و پیمان مت کرنا، لڑکی ذات ہے عہد و پیمان لے کر بیٹھ گئی تو آہ لگ جائے گی۔" راشد کیانی نے صلاح دی اور انہوں نے ایسا ہی کیا تھا پھر تین دن بعد وہ خوش باش ان کے سامنے کھڑے تھے۔

"مان گئیں آنٹی۔" راشد کیانی نے اندازہ لگایا۔

"کس بارے میں۔" وہ انجان بن کر ٹی وی چینل سرچ کر رہے تھے۔

"میں مہرانو کی بات کر رہا ہوں؟" علی جواد نے لاپروائی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں! ماما جانی نہیں مانیں کہنے لگیں مہرانو کہیں سے بھی آپ کے ساتھ سوٹ نہیں کرتیں، میں نے کہا جیسے آپ کی مرضی پھر لے آئیے کوئی میرے شایان شان۔" وہ تھوڑی دیر کو جز بز ہوئے تھے پھر ان کی دبی دبی مسکراہٹ پر شرارت سے بولے تھے۔

"ہاں آنٹی ٹھیک کہہ رہی تھیں تمہارا اور مہرانو کا کوئی جوڑ تھا بھی نہیں کہاں تم چندے آفتاب چندے ماہتاب کہاں وہ کالی پری۔"

"وہ کالی پری ہیں، اتنی پیاری سی تو ہیں، جائیے راشد میں آپ سے نہیں بولتا۔" انہوں نے راشد کیانی کو کشن کھینچ مارا تھا اور علی جواد کی ناراضی سے لطف لینے لگے تھے۔

"جب تم ناراض ہوتے ہو نا تو دو سال کے بچے کی طرح لگتے ہو، ابھی شادی کروا اگلے سال پاپا بن جاؤ گے مگر ناراض ہونا تمہیں ابھی تک نہیں آتا۔"

وہ شرما گئے تھے اور راشد کیانی کا قہقہہ گونجا۔

"علی یار، کہاں رہتے ہو تم میں تو دنیا کی چھل کپٹ ہے ہی نہیں۔" انہوں نے علی جواد کے بال بگاڑ دیے تھے۔

"آپ بہت بگڑ گئے ہیں راشد، آنٹی سے کہنا پڑے گا آپ کی شادی جلد کر دیں ورنہ آپ کوئی حسین حادثہ کر کے ہی چھوڑیں گے۔" راشد کیانی مسکرا اٹھے تھے۔

"تم جانتے ہو جب اتنے بے تکلف دوست ہو کر بھی آپ آپ کہتے ہو تو تم مجھے دنیا کے سب سے پیارے انسان لگتے ہو، لوگوں کی تم اور تو میں جو اپنائیت نہیں وہ تمہارے آپ میں ملتی ہے۔"

پھر علی اور مہرانو کی شادی ہو گئی تھی، وہ شروع میں بہت خوش تھے پھر روز شکایت کرنے لگے۔

"ہمیشہ امی جان بہت کوشش کرتی ہیں سمجھوتا کرنے کی مگر مہرانو کچھ نہیں سمجھتی ہیں اور وہ شہری وہ ہم دونوں میں سینڈوچ بن گیا ہے۔"

"تم اپنے جھگڑے میں آنٹی کو مت گھسیٹو یہ صرف اور صرف تمہاری ڈھیل ہے کیا تمہیں پتا ہے وہ مجھے کئی بار رضوان کے ساتھ گھومتی ہوئی ملی ہیں تم

نے پوچھا رضوان کے ساتھ گھومنے کا ان کا کیا مقصد ہے۔" علی جواد ہونٹ کاٹنے لگے تھے۔

"میں نے کئی بار پوچھا ہے مگر وہ ہر بار اتفاق کی کوئی اسٹوری بنادیتی ہیں۔"

"اتفاقات' کیا پاکستانی فلم ہے کوئی۔ کمال ہے تمہیں بات کرنی ہی نہیں آتی مرد بن کر آنٹی کے ساتھ رہ رہ کر تم میں زنانہ خصوصیات آگئی ہیں۔" اتنا سخت جملہ آج تک انہوں نے علی کے لیے کبھی نہیں کہا تھا اور علی جواد سر جھکا کے رہ گئے تھے۔

"میں کہنے کو بہت کچھ کہہ سکتا ہوں مگر مجھے مہرانو کی محبت کسی بھی قسم کا سخت رویہ اپناتے ہوئے روک لیتی ہے۔"

وہ بہت الجھے ہوئے تھے جب رنگوں' خوشبو کی باتیں کرنے والی صفورا بلال ان کے گروپ سے ٹکرائیں' علی جواد دور بھاگتے تھے اجنبی رشتوں سے مگر ڈاکٹر راشد کیانی کو یہ رنگ خوشبو کی باتیں سننا اچھا لگتا وہ روز اپنی کوئی الٹی سیدھی تک بندی لے کر صفورا بلال کے سامنے جا بیٹھتے 'صفورا بلال غزل' نظم کے مصرعے بٹھاتیں قافیہ کے رموز ٹھیک کرتیں مگر ان کی آنکھیں علی جواد کا طواف کرتی رہتیں اور ایک دن منہ پھٹ راشد کیانی نے کہا۔

"میں سمجھتا تھا تم میرے لیے وہاں جاتے ہو مگر صفورا بی بی تو تم پر دل ہار گئی ہیں۔"

"کیا فضول بات ہے میں شادی شدہ ہوں ایک بیٹے کا باپ ہوں۔"

"میں نے سب بتادیا ہے انہیں مگر وہ پھر بھی چاہتی ہیں تم سے اکیلے میں ملیں۔"

"کیا کریں گی مجھ سے اکیلے میں مل کر۔"

"پتا نہیں مگر میں انہیں عہد دے کر آیا ہوں کہ تم اس ہفتہ کو ان سے ملنے ان کے گھر آؤ گے۔"

"مگر میں اکیلا نہیں جاؤں گا' آپ میرے ساتھ چلیں گے۔"

"پاگل وہ تم سے ملنا چاہتی ہیں مجھ سے نہیں۔" انہوں نے لاکھ واویلا کیا انکار کیا مگر پھر بھی راشد نے زبردستی انہیں اکیلے بھیجا تھا۔

سکون اطمینان زندگی "اس گرین ہٹ" میں کسی بھی چیز کی کمی نہیں تھی صفورا بلال فرشی نشست کی عادی تھیں' گلاس ٹیبل پر بکس بکھری ہوئی تھیں اور علی جواد سحر انگیز ہو کر رہ گئے تھے گہرے کالے سیاہ لمبے بال' بڑی بڑی بھونرا آنکھیں شرارت سے مسکراتے ہونٹ۔

"زہے نصیب کہ آپ نے شرف ملاقات بخشا' راشد کیانی بھلے کتنے جھوٹے ہوں' دوست بن کر ہمیشہ سچے وعدے کرتے ہیں۔ آیئے تشریف رکھیے ٹھنڈا پئیں گے یا چائے۔"

"کچھ بھی نہیں میں صرف جاننا چاہتا تھا کہ آپ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتی تھیں۔" علی جواد کا وہی نرم لہجہ تھا۔

"ارے اتنی جلدی بھی کیا ہے ابھی تو آپ آئے ہیں بہت ساری باتیں کریں گے پھر ان بہت ساری باتوں میں سے آپ کام کی باتوں کو رات گئے الگ الگ کرتے رہیے گا۔" علی جواد کچھ بھی نہیں بولے پھر بھی مہرانو سے جھگڑے کے بعد وہ ہمیشہ صفورا بلال کے پاس جا بیٹھتے تھے شاعری پر بات ہوتی افسانہ نگاری پر بات چلتی قصے کہانیاں اور ان کہانیوں میں دل کی کوئی واردات۔۔۔ اس دن بھی وہ ایسے بیٹھے تھے راشد کیانی اچانک آگئے تھے تب صفورا بلال نے کہا تھا۔

"مجھے آپ سے شاید محبت ہوتی جارہی ہے۔" علی جواد راشد کیانی کو اچانک دیکھ کر اس جملے پر پزل ہو گئے۔

"مگر مجھے صرف مہرانو سے محبت ہے۔"

"تو میں نے یہ کب کہا کہ آپ بھی مجھ سے محبت کریں۔" اور علی جواد دور جا کر کھڑے ہو گئے۔

"ہر لڑکی ایک مکمل گھر چاہتی ہے اور میں آپ کو ایسا کوئی عہد نہیں دے سکتا۔"

"مجھے صرف آپ کا نام چاہیے آپ کے ہونے کی سرخوشی سے غرض ہے۔" انہوں نے ہاتھ تھامنا چاہا اور علی جواد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوتا یہ صرف قصے کہانیاں ہیں دنیا مانے گی نہ آپ کے گھر والے؟"

"میرے گھر والے میری مرضی کے بغیر میری زندگی کا فیصلہ نہیں لے سکتے میں انگلینڈ نژاد ہوں میری ساری فیملی وہیں ہے اگر آپ کا دل مانے تو ہم خاموشی سے نکاح کر سکتے ہیں۔"

"ناممکن۔" علی جواد نے پشت موڑلی تھی' اور صفورا بلال کی بھنورا آنکھوں میں بھنور پڑنے لگے تھے۔

"میں آپ کے بغیر مرجاؤں گی۔"

"کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا' آپ بھی نہیں مریں گی' آپ بھول جائیے گا کہ کبھی ہم ملے تھے' میں مہرانو سے بددیانتی نہیں کر سکتا۔" وہ کہہ کر رکے نہیں تھے پھر راشد کیانی کے سامنے صفورا بلال کی کالز آتیں' میسجز آتے مگر علی جواد انہیں جوابی پیغام دیتے اور نہ ان سے فون پر بات کرتے۔

"تم زیادتی کر رہے ہو' اتنی محبت کسی کسی کو ملتی ہے۔"

"مجھے ایسی محبت کی ضرورت نہیں' مہرانو ہے محبت کے حوالے سے میرے پاس۔" راشد کیانی چڑ گئے تھے۔

"مہرانو۔۔۔ مہرانو۔۔۔ کیا دیا ہے آج تک اس مہرانو نے صرف ہنگامہ آرائی جھگڑے بے سکونی اور میری نظر میں بے وفائی بھی۔"

"کچھ بھی ہے وہ میرے شہریار کی ماں ہیں۔"

"کیا واقعی وہ شہریار کی ماں ہیں؟" راشد کیانی نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

علی جواد واک آؤٹ کر گئے تھے پھر اس دن بھی مہرانو نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا اور ان کی گاڑی گرین ہٹ کی طرف اڑتی جارہی تھی' پھر وہ جا کر دروازے پر کھڑے ہی ہوئے تھے اور اسی وقت دروازہ کھل گیا تھا۔

"میرے دل نے کہا تھا آپ آنے والے ہیں' آپ کی خوشبو بکھری ہوئی تھی ہوا کے ساتھ۔" وہ کسی بت کی طرح سٹنگ روم میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے' صفورا بلال نے پوچھا نہیں تھا اور بہت خاموشی سے ٹیبل پر کھانا لگا دیا تھا۔

"مجھے پتا ہے آپ نے کھانا نہیں کھایا ہوگا۔" انہوں نے چونک کر دیکھا اور سوچا۔

"مہرانو کو ایسے گمان ایسے الہام کبھی نہیں ہوئے کیا وہ محبت نہیں تھی' مگر صفورا اور میرے درمیان جو رشتہ ہے اس میں خواہش سے بدن نہیں ٹوٹتا ایک خاموش عہد ہے جو ہمارے درمیان آ کر بیٹھا رہتا ہے صفورا کچھ بولتی ہیں نہ میں' مگر پھر بھی نہیں لگتا کہ خاموشی ہے کوئی نامحسوس ہم کلام سا لگتا ہے۔"

"چائے تو نہیں پئیں گے آپ' کافی لاؤں۔" علی جواد پھر چونک اٹھے۔

"وہ ہمیشہ چائے ہی پیتے تھے مگر آج واقعی کافی پینے کا دل چاہا تھا۔"

"آپ ٹیلی پیتھی جانتی ہیں کیا؟"

صفورا کا نقرئی قہقہہ' ان کا دل چاہا وہ کہیں "آپ کی ہنسی بہت پیاری ہے۔" مگر وہ احترام میں چپ رہ گئے تھے۔

پھر وہ انگلینڈ میں ایک سیمینار میں شرکت کے لیے گئے تھے جب انہوں نے راشد کیانی کو فون کیا تھا۔

"پتا نہیں وہ کیا جذبہ تھا مگر راشد میں نے صفورا سے نکاح کر لیا ہے۔"

راشد کیانی کو خوشی ہوئی تھی مگر حیرت سوا تھی ان جیسا خاموش طبع شرمیلا انسان اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتا تھا وہ بھی اکیلا' وہ گم تھے جب فون کے تیسرے دن علی جواد ان کے سامنے بیٹھے تھے۔

"محبت اگر ایک بار ہوتی ہے تو وہ میرے دل نے مہرانو سے کرلی مگر صفورا کی محبت نے مجھے مسحور کر دیا ہے۔ وہ مجھے اپنے آپ سے بھی زیادہ محبت کے قابل سمجھتی ہیں بس اسی احترام اسی خیال کو سوچ کر میں نے اتنا بڑا فیصلہ لیا' ہم جیسے زندگی میں ایک سکوں بھرا گوشہ ایک جزیرہ ڈھونڈا ہے میں نے' جہاں سارے جہاں کی تھکن اتار سکوں' صفورا کو شہریار پر اعتراض ہے نہ

مہربانو پر۔"

"سب صحیح مگر تمہیں اتنی بڑی بات آنٹی سے نہیں چھپانی چاہیے اگر کسی اور نے انہیں یہ بتایا تو انہیں کتنا دکھ ہوگا۔"

"مجھے دم تو لینے دو بتا دوں گا' یہ بات امی جان کو بھی۔" وہ یکدم چڑ گئے تھے اور پھر علی جواد' راشد کیانی کے ساتھ ڈنر پر مدعو تھے اور راشد کیانی صفورا کے ہاتھ کے بنے کھانوں کی تعریف کر رہے تھے۔

"زندگی میں پہلی بار اس نے کوئی ٹھیک فیصلہ کیا اپنی زندگی کا۔" علی جواد نے چمکتی آنکھوں سے صفورا کو دیکھا تھا۔

راشد کیانی نے' علی جواد کی آنکھوں میں آج پہلی بار صفورا کے لیے کوئی جذبہ مچلتا دیکھا تھا' نکاح کے چھ ماہ بعد۔

وہ شریری مسکراہٹ سے کھڑے ہو گئے تھے۔

"آج تم یہیں رکو میں آنٹی سے کہہ دوں گا تم میرے پاس رات رکو گے۔" علی جواد کا چہرہ یکدم شہابی سا ہو گیا تھا' راشد کیانی نے بے ساختہ اُمڈ آنے والے پیار سے انہیں کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا پھر نرم لہجے میں بولے تھے۔

"زندگی کو وہ جینے دو جو وہ جینا چاہتی ہے' ظاہری قید میں کب تک سمیٹ کر رکھو گے خود کو' تمہارا دل اس کی محبت میں سمٹ جانا چاہتا ہے تو اسے مت روکو صفورا اور تمہارا رشتہ شرعی ہے جائز ہے' دنیا کا ڈر کرتے رہے تو کبھی سانس بھی نہیں لے سکو گے۔" وہ گیٹ سے باہر جاتے جاتے بھی سمجھا رہے تھے اور وہ ان کی گاڑی پر ہاتھ رکھے ابھی بھی جز بز تھے۔

"راشد کیا میں یہ رشتہ نبھا سکوں گا۔" راشد کیانی نے ان کے رخسار کو چھو کر یقین سے کہا تھا۔

"ہاں تم سارے رشتے نبھا سکتے ہو تم راشد کیانی نہیں' علی جواد ہو میں نے زندگی میں تم سے بہت کچھ سیکھا ہے۔"

پھر چار سال بعد کی بات تھی انہیں ہاسپٹل میں علی جواد کی کال وصول ہوئی تھی۔

"مجھ سے ماما ناراض ہو گئی ہیں۔"

"کیوں؟ آنٹی اور تم سے ناراض ناممکن۔" وہ واقعی حیران رہ گئے تھے۔

"وہ مہربانو آئی تھیں' انہوں نے امی جان سے بدتمیزی کی' میں اچانک آ گیا' مجھے معاملہ سمجھ میں بھی نہیں آیا میں حق دق کھڑا تھا ماما جانی سمجھیں میں مہربانو کا ساتھ دے رہا ہوں۔" وہ بے قرار تھے اور ڈاکٹر راشد ان کو تسلی دے رہے تھے۔

"نہیں' تم ایسا کبھی نہیں کر سکتے تمہارے لیے تمہاری ماما دنیا کی ہر چیز سے ضروری ہیں علی اور میں گواہ ہوں اس محبت کا۔" لمحہ بھر کو رکے اور دوبارہ بولے۔

"تم کہاں ہو اس وقت۔"

"میں راستے میں ہوں گرین ہٹ جا رہا ہوں صفورا اسلام آباد میں ہیں مگر ان کے وجود میں دھڑکتی محبت وہاں بکھری ہوئی ہے میں بہت منتشر ہوں ریلیکس کرنا چاہتا ہوں۔" لمحہ بھر کو رکے تھے پھر چہکتے سے انداز میں بولے۔

"راشد میں خوش قسمتوں میں شامل ہونے والا ہوں۔" راشد کیانی ان بے ربط باتوں سے ششدر کھڑے تھے اور وہ ہلکی سی شوخی سے بولے۔

"میں بیٹی کا باپ بننے والا ہوں میں بہت خوش ہوں مگر۔"

"کیا مگر۔" وہ واقعی خوش ہو گئے تھے۔

"مگر یہ ناراضیاں مہربانو کا سمجھ آتا ہے مگر امی جان اتنی جلدی مجھ سے بدگمان کیوں ہو گئیں' میں تو امی جان سے آج صفورا اور اپنی اس خوشی کو بانٹنا چاہتا تھا مگر یہ اچانک ہنگامہ۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا تم گھر جا کر آرام کرو۔"

"میں خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہا ہوں صفورا بھی مصروف ہیں سو مجھے اس لمحے تم یاد آئے میں چاہتا ہوں اس وقت تم میرے برابر میں آ کر بیٹھ جاؤ اور ماضی کی طرح کہو علی تم سارے رشتے نبھا سکتے ہو تم راشد کیانی نہیں علی جواد ہو میں نے تم سے بہت کچھ سیکھا ہے۔"

ڈاکٹر راشد نے گہری سانس لی تھی۔

"ہاں میں اب بھی یہی کہتا ہوں' تم واقعی ہر امتحان میں پورے اترتے ہو' آنٹی کو جلد احساس ہو جائے گا کہ ان کی رائے تمہارے بارے میں غلط تھی تم گھر جا کر آرام کرو۔"

"ایک منٹ مہربانو کی کال آ رہی ہے تم لائن پر رہنا تم سے بات کر کے اچھا لگ رہا ہے مجھے۔"

"پھر کتنی ڈھیر ساری ساعتیں گزر گئی تھیں وہ آپریشن روم کے باہر کھڑے تھے۔ جب انہوں نے علی جواد کی آواز سنی۔

"راشد تمہارا علی مر گیا' مہربانو نے میری اتنی خالص محبت کا جو صلہ دیا ہے اس کی چبھن میں کیسے سہہ پاؤں گا۔"

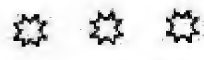
"تم صفورا کے لیے زندہ ہو' اپنی بیٹی کی آمد کے خواب بنو' شہریار کا سوچو بھول جاؤ کہ مہربانو بھی تمہاری زندگی میں بھی آئی تھیں۔" وہ جان کر اس تلخ سچ کو نہیں کھوجنا چاہتے تھے اور علی جواد نے گہری لمبی سانس لی۔

"شہریار کے ہوتے ہوئے کیا میں کبھی بھول سکوں گا کہ میں مہربانو سے کبھی نہیں ملا تھا' راشد امی جان کی ناراضی' صفورا کی دوری' میں خود کو کس رشتے کس محبت میں ضم کروں اس لمحے کی تلخی میرے حلق سے اتر کر میری روح کو زہر نہ بنا دے۔" وہ آگے بھی کچھ کہنے والے تھے یکدم راشد کیانی کی سماعت نے گاڑی کے ٹائر چرچرانے کی آواز سنی' بہت ساری گاڑیوں کے ہارنز' راشد کیانی چلا اٹھے تھے۔

"علی — کیا ہوا علی —" ہلکی ہلکی ہچکی بھری سانسیں سن کر ڈاکٹر راشد وہیں ساکت و صامت کھڑے رہ گئے تھے۔

دل نے کہا تھا کوئی ظالم لمحہ آ گیا تھا۔ جو سب کچھ چرا کر جا چکا تھا۔ مگر یہ ظالم لمحہ پھر کیوں آ رہا تھا انہوں نے فائلز اٹھا کر ہوا میں اچھال دی تھیں۔

"دنیا میں ہر شخص مرنے کے لیے ہو تب بھی میں علی کو ایک بار پھر مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔" انہوں نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا تھا اور ڈاکٹرز روم میں لاگ ان ہوئے تھے۔



"تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں تمہاری بیٹی کی شادی کے لیے میں زیور دوں گی۔" وہ لاابالی پن سے چیونگم چبا رہی تھی تبھی شاہ میر نے اسے غصے سے دیکھا تھا۔

"تمہیں کیوں لگتا ہے تم کسی لینڈ لارڈ کی بیٹی ہو۔"

"مجھے صرف لگتا ہی نہیں یقین بھی ہے کہ میں واقعی دل کی شہزادی ہوں۔"

"زیادہ مدر ٹریسا مت بنو۔" وہ چڑ گیا تھا اور وہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے اکثر اس سے ایسا ہی چڑ جاتا تھا مگر اسے پروا نہیں ہوتی تھی اور واقعی وہ دوسرے دن اس دارالامان میں بیٹھی تھی۔

دونوں ماں بیٹی کو شوہر نے بیٹے کے ساتھ مل کر الزام لگا کر گھر سے نکال دیا تھا شوہر خود بھی دوسری شادی کرنا چاہتا تھا اور بیٹا اپنی بیوی کے کہنے میں تھا' ایک ہی بیٹی تھی مگر دونوں رشتے سفاک بن گئے تھے۔

"نہیں ہیں ہمارے پاس تمہیں کچھ دینے کے لیے میں تو کہتا ہوں لڑکیاں ہونی ہی نہیں چاہئیں زندگی میں سکون رہتا ہے۔"

اور وہ بھابھی کی شکایتوں پر بھائی سے پٹ کر بھی گھر سے نکلنا نہیں چاہتی تھی کہ باپ نے ایک پاس کے لڑکے پر کاری کا الزام لگا کر اپنی شادی کی خواہش اور جرمانے کی رقم سے زندگی کو آسان کر دیا بھائی نے چپکے سے کسی این جی او کو فون کر دیا اور یوں سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی' رقم باپ بیٹے نے آدھی آدھی بانٹ لی' اور جرمانے میں اپنی عمر سے آدھی لڑکی سے شادی بھی کر لی' لڑکے کو ماں باپ نے شہر بھیج دیا تھا کہ کہیں مارا نہ جائے اور ان ماں بیٹی کو این جی او نے ٹی وی پر واہ واہ سمیٹ کر دارالامان میں بھیج دیا تھا مگر لڑکی کا منگیتر اس سب کے باوجود اس سے آج بھی محبت کرتا تھا۔

"وہ اس کی چاہت میں شہر آگیا تھا مگر لڑکے کے ماں باپ اس رشتے پر صرف اسی وقت راضی تھے جب ان کی دی گئی رقم کی واپسی کی سبیل ہوتی۔"

"تیرے اور میرے ماں باپ دونوں لالچی ہیں رقم کی واپسی ہو سکتی ہے مگر میری چھوٹی بہن کی جو زندگی تباہ ہوئی اس کا کیا۔" کس نے اس کے آنسوؤں اس کی زندگی کی تباہی پر ایک لفظ نہیں کہا۔

"مگر مجھے یہ سب بدلنا ہے میں عورت کو عزت کے قابل سمجھتا ہوں بھلے میٹرک کیا ہے مگر سوچ سمجھ ہے میرے پاس۔"

"مگر تیرے ابا' اماں بغیر زیور کپڑے کے مجھے نہیں بیاہیں گے۔" وہ دکھی تھی اور یہ لڑکی اس کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی' وہ اس کے دکھ چن سکتی تھی۔

"تم ہمیشہ ایسے ہی سوچوں میں گم رہتی ہو یا اس حادثے نے زندگی کا رخ بدل دیا ہے۔" وہ اور قریب آ گئی تھی اس نے اجرک میں سے سر نکالا تھا۔

"سوچ کب انسان سے الگ ہوتی ہے' نہیں جی' صبح سے شام میں سوچیں ہی سوچیں۔"

"تم پڑھی لکھی ہو۔" اس نے مزید بے تکلفی کا تاثر دیا۔

"نہ جی پر سمجھ ہے زندگی کی۔" کہہ کر دل میں بولی۔

"شاید کسی شو کی اینکر ہو گی اپنے پروگرام کو لش پش کرنا چاہتی ہو گی' یہاں بہت سی ٹی وی کی عورتیں آتی ہیں' مائیک پکڑ کر ان کے دکھ پر ان سے بھی زیادہ دکھی ہو کر روتی ہیں' پھر واہ واہ ان کی اور نصیب کا وہی کالا اندھیرا ہمارا۔"

"کون سے پروگرام سے آئی ہو آپ۔" دو سال کراچی میں رہتے ہوئے اس کی اردو بہت اچھی ہو گئی تھی اور عقل بھی' یا یوں کہنا چاہیے زندگی نے عقل ٹھکانے کر دی تھی۔

سامنے بیٹھی لڑکی کے گورے رنگ میں سرخی دوڑی تھی چہرہ عجیب سا ہوا تھا پتا نہیں یہ اس کے چہرے کی شرمندگی تھی یا اندر کی کوئی تفاخرانہ خوشی' سب سے الگ تھلگ ہو کر پہچانا جانا کسے برا لگتا ہے۔"

"تم غلط سمجھی ہو' میں تمہاری شادی کے لیے اپنا زیور دے رہی ہوں کیوں کہ جس نے مجھ سے شادی کرنی ہے اس کا دل ان مادی چیزوں کی محبت سے خالی ہے۔" زاویہ نظر شاہ میر تھا وہ جز بز ہو گیا' سمجھ نہیں پایا تھا کہ وہ اسے محض سنا رہی ہے یا سڑ رہی ہے' اس لڑکی کے دل کی اتنی پرتیں ہیں کہ شاید میں کبھی پوری طرح اسے نہیں سمجھ پاؤں گا' اس نے گہرا سانس لیا اور سامنے دیکھا وہ لڑکی سے بغل گیر ہو رہی تھی۔

"تم میری بہن جیسی ہو اگر میں تمہیں کچھ دے رہی ہوں تو تم پر کوئی احسان نہیں کر رہی یہ اللہ نے تمہارا ہی حصہ رکھا تھا بس مجھے اس امانت کا امین اور ضامن بنا دیا گیا تھا' تم بے فکر رہو' تمہاری شادی ہم بڑی دھوم دھام سے کریں گے۔" وہ دعائیں لیتی ہوئی اٹھ گئی تھی' شاہ میر اس کے قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا مگر وہ ہنوز اس سے بہت دور تھی۔

"کیا یہ جانتی ہے مجھے اس سے کتنی محبت ہے۔" دل نے کہا ہاں یہ یقیناً "جانتی ہے مجھے اس سے کتنی محبت ہے" تبھی اس نے ایک سیکنڈ بھی پلٹ کر اس کی موجودگی کا احساس نہیں کیا کیونکہ اسے یقین ہے جہاں وہ قدم رکھے گی شاہ میر اس کی سمت سے الگ مڑ کر کسی اور طرف جا ہی نہیں سکے گا' وہ ایک چالاک لڑکی تھی' قید کر کے کہتی تھی۔

"تم آزاد ہو' جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو جس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو رہ سکتے ہو' مگر یہ اس کا دل جانتا تھا وہ اس کے بغیر اب چاہتا بھی تو نہیں رہ سکتا' اگر محبت جنون ہے تو وہ اس جنون کا شکار ہو کر اپنے سارے احساسات و محسوسات اس پانچ فٹ چار انچ کی لڑکی کے ہاتھوں گروی رکھ چکا تھا۔"

"تم یہ زیور یہ شادی کا خرچہ کہاں سے کرو گی۔" پہلی دفعہ اس خاموشی کو شاہ میر نے توڑا تھا' اس نے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے اسے پوری توجہ سے دیکھا تھا۔

"اگر تم میرے سچے دوست ہوتے تو میں ضرور تم سے توقع رکھتی کہ تم حوصلہ افزائی کرتے' کہتے ایمان تم جو چاہو کر سکتی ہو' اچھے کام مشکل ضرور ہوتے ہیں مگر تمہاری خوبی ہے تم مشکل کام بہت آسانی سے کر گزرتی ہو۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو تم مشکل کام بہت آسانی سے کر گزرتی ہو' بس آسان کام کرنے کا تمہیں تجربہ نہیں۔"

"مثلاً" کیسا آسان کام۔۔۔" اس نے پھر چونک کے دیکھا تھا اب وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکی تھی۔ مگر وہ چپ رہا' اس نے اس کے گھر ڈراپ کیا پھر وہ گھر میں داخل ہوئی تو خوشی سے چیخی تھی' اس شخص کو اپنے سامنے دیکھ کر دل کے اندر مسرت و انبساط کے سوتے ایسے ہی پھوٹ پڑتے تھے۔

"جازی بھیا۔" وہ سیدھے اس شخص کے سینے سے جا لگی۔ خوبرو گندمی رنگ فرنچ کٹ داڑھی' ہلکی ہلکی بروٹ کی خوشبو' فریم لیس عینک کے پار سے جھانکتی آنکھیں۔

"کیسے ہیں۔" وہ بالکل ان سے چپک کر بیٹھی تھی۔

"کیسا لگ رہا ہوں۔" ہونٹوں پر تبسم بکھرا تھا اور وہ ہنس پڑی تھی۔

"ایک دم ہینڈسم' جیسے دس سال پہلے تھے۔"

"واہ۔۔۔ واہ کیا تعریف ہے۔" ان ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی اور وہ گلہ کرنے لگی تھی۔

"پورے تین ماہ بعد دیکھ رہی ہوں آپ کو' آپ کو تو اپنی بہن کی یاد بالکل نہیں آتی ناں جازی بھائی۔ یہ بتائیے کتنے دن کے لیے آئے ہیں اور بھابھی اور عمر ساتھ کیوں نہیں آئے۔"

"اسکولنگ کی وجہ سے میری جان' میں ابھی تین چار ماہ تک یہی ہوں۔"

"کوئی خاص کام۔۔۔"

"ہاں ایک بہت ضروری کام ہے تبھی اتنا ایمرجنسی میں آنا پڑا۔"

"تو آپ مجھے نہیں بتائیں گے وہ ضروری کام کیا ہے۔"

"بتا دوں گا میری زندگی کا کون سا ایسا صفحہ ہے جو تمہاری نظر سے اوجھل ہے۔" وہ کہہ کر اٹھ گئے تھے اور ایمان صفورا' خالہ سے پوچھ رہی تھی۔

"آپ کو تو بھیا نے ضرور بتایا ہو گا کیا ضروری کام ہے۔"

"نہیں کبھی کبھی وہ مجھے بھی کچھ باتوں سے ایک دم سے باہر نکال دیتا ہے۔"

اسے مبہم باتیں ہمیشہ الجھن میں مبتلا کر دیتی تھیں یہی وجہ تھی اس نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا' کوئی نامحسوس بات اسے اندر ہی اندر چبھ رہی تھی یہاں تک کہ کسی کام سے اصفی ڈرائنگ روم سے گزرا تو اسے صوفے پر آڑا ترچھا پڑا دیکھ کر وہ تھوڑا سا حیران ہوا۔

"خیر ہے آج تمہارے یہ علم ٹھنڈے کیوں پڑے ہوئے ہیں کوئی نئی تازی۔" اس نے جازی کی بات کہی تو وہ ہنس پڑا۔

"اگر میں جازی بھیا کی جگہ ہوتا نا تو اب تک تمہاری شادی کروا چکا ہوتا' تم جیسی بے نتھا بیل کو اسی طرح قابو کیا جا سکتا ہے' مگر بے فکر رہو بھیا ابھی میری طرح ٹپیکل مائنڈ نہیں ہوئے اس لیے تمہاری تمام تر حرکتوں کی باوجود تمہیں دیس نکالا نہیں مل سکتا۔"

"پھر بھیا اتنے اچانک کیوں آئے ہوں گے۔" اصفی فل موڈ میں تھا اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا پھر اس کے کان میں بولا۔

"کیا پتا کراچی میں جو ان کی دوسری بیوی بیٹھی ہے اس کو کوئی ضروری کام ہو گا ان سے چھوٹے کا اسکول میں داخلہ نہیں ہو رہا ہو گا' تبھی بھیا فارم پر اپنا انگوٹھا لگوانے بھاگے چلے آئے ہوں گے۔"

"جازی بھیا کی دوسری بیوی۔۔۔" وہ چیخ مار کر ساکت و صامت ہو گئی اصفی کو شرارت گلے پڑتی محسوس ہوئی یکدم اس کا کاندھا تھام کر لجاجت سے بولا

"بس کرو یہ نوٹنکی نہ کرو امی، تمہیں پتا ہے حقوق نسواں کے سب سے بڑے علمبردار بھیا کے علاوہ کوئی نہیں، وہ کیوں پھر اس عہد کا پاس نہ کریں گے، میں مذاق کر رہا تھا۔"

"مذاق کے بچے ـــــ" وہ اس پر کشن اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی۔ مگر اس کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا، یکدم اس نے گلدان اٹھا لیا کہ یکدم کسی نے گلدان لے کر رکھ دیا تھا۔

"نہیں بچے گا اس سے اس کا کچھ نہیں بگڑ سکتا ہم اسے گولی مار دو خس کم جہاں پاک۔"

"واہ کیا چالاکی کر رہے ہیں، امی ان کی باتوں میں مت آنا یہ ساری جائیداد اکیلے ہضم کرنا چاہتے ہیں، میں اوپر ہم جیل اور ان کے مزے ہو جائیں گے دنیا ہی جنت بن جائے گی یو نو۔"

"بدتمیز بھیا کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہو۔" جازی نے اس کا کان پکڑ لیا۔

"کبھی وصیت پڑھی ہے میری، بابا کی ساری جائیداد تمہارے نام لکھی ہوئی ہے۔" اصفی نے گلے میں بانہیں حمائل کی تھیں۔

"اگر آپ دوسری وصیت پڑھ لیتے تو آپ کو پتا چل جاتا عمر اور امی کے نام ہے وہ سب کچھ جو آپ نے میرے نام کر رکھا تھا۔"

"کیوں شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔"

"بے فکر میں دولت نہیں لانا چاہتا جو لڑکی میری حاضر ڈیوٹی سیلری پر راضی ہوگی، میری بیوی بنے گی۔"

"ایک دم پاگل اس گھر میں کوئی بھی نارمل نہیں۔" خالہ جان نے تینوں پر تبصرہ کیا، وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔



وہ آج مدتوں بعد ان راستوں پر چل رہا تھا کبھی بہت غرور تھا اسے اپنی ذات کا اپنے کمال ذہانت کا، ہر ہر قدم پر لگتا تھا زندگی اس کے بغیر کچھ نہیں ہے اس کی ابرو کے ایک اشارے پر سارے دل سارے وجود ہاتھ باندھ کر غلاموں کی قطار میں کھڑے ہو سکتے ہیں، مگر اب کھلا تھا سب سے بڑا دھوکہ زندگی تھی نہ اس کا غرور، سب سے بڑا دھوکہ تو خود اس کا اپنا وجود تھا جو ایک پل میں راکھ سے خاک اور خاک سے بے نشان ہو جاتا تھا۔

"شہریار تم نے زندگی میں کبھی سوچا تھا اگر تم دنیا سے جاؤ گے تو اپنے ساتھ لے کر کیا جانا چاہو گے، اس کے بندوں کی خوش دلی، اپنا غرور یا مغفرت کا ہلکا سا یقین جو دھیرے دھیرے ساتھ چلتا چلتا آسمان سے زمین تک پھیل جاتا ایسے کہ اس کا پورا وجود ڈھک جاتا اور روح جنت کے ٹھنڈے میٹھے پانیوں میں غوطہ لگا کر صندل ہو جاتی۔"

"میں نے صرف نفرت کمائی ہے، صرف دل توڑے ہیں میں کس آسرے پر زندگی کا پل صراط طے کروں گا۔" ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا اور گہرا لمبا سا سانس لیا۔

"کیا پل صراط عقبیٰ ہے یا دنیا میں بھی جگہ جگہ اس کاتب قدرت نے ناکے لگا رکھے ہیں، چھلنیاں لگا رکھی ہیں جہاں سے چھن چھن کر کھرا کھوٹا الگ ہو جاتا ہے کسوٹی پر کندن اور مٹی چھٹ جاتی ہے، وہ تو صرف مٹی تھا۔" اس نے گاڑی روکی تھی اور پھر وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا ایک دو تین چار پوری بیس سیڑھیاں گن کر وہ کسی کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔

کبھی کبھی ہم جسے بہت جانتے ہوں اس سے بات کرتے ہوئے اگر وقت ناراض دوست بن کر کھڑا ہو تو لفظ منطق سے غائب ہو جاتے ہیں۔

اس نے گہرا سانس لے کر بیل بجائی تھی۔

"کل کس خوشی میں تم دودھ دے کر نہیں گئے تھے شکور۔" گلہ کرتی سنہری آواز، اس کے دل کے سمندر میں پھر سے بھنور پڑنے لگے تھے۔

وہ دروازہ کھول کر بالکل اس کے سامنے کھڑی تھی بس ہاتھ بھر کا فاصلہ تھا اس کی زندگی کے چاندنی روشنی پی جانے کا ـــ اس کے حلق میں پیاس سے کانٹے جم گئے تھے۔

"پانی ملے گا۔" وہ معافی مانگنے آیا تھا اور پانی مانگ بیٹھا تھا۔

"کیا آپ اندر آنا چاہیں گے، باہر کھڑے ہو کر معیوب بات لگتی ہے، آپ تو جانتے ہیں فیملی کے بغیر رہنے والی لڑکی کو بہت تلخ باتوں کا زہر پینا پڑتا ہے۔" وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا تھا۔

"تم چھوٹے گھروں کی رہنے والی لڑکیاں بس ایسی ہی ہوتی ہیں شارٹ کٹ ہر چیز میں ہو سکتا ہے محبت میں نہیں، محبت میں ون وے ٹریفک کا طویل سفر ہر کوئی نہیں کر سکتا اور کوئی آمادہ بھی ہو تو مجھے محبت سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ صوفے پر بیٹھا تھا اور اسے لگتا تھا وہ تین سال پرانی کوئی بات یاد کرنا چاہے تو کبھی یاد نہیں کر سکے گا، مگر اس لڑکی کے سامنے مجرموں کی طرح بیٹھے ہوئے ضمیر کی عدالت خود اس کے جملوں کی بازگشت سے اس کے کیس کو پیچیدہ اور روح فرسا کر رہی تھی۔

"آپ اچانک اور اس علاقے میں۔" اس نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

"لڑکیاں اگر گلاس کی طرح نازک ہیں تو مجھے اس گلاس میں صرف ایک بار خواہش کی مدھ پینے کا سودا ہے میں پی کر گلاس توڑ دیا کرتا ہوں اور ٹوٹے ہوئے گلاس ڈسٹ بن کی نذر کیے جاتے ہیں ان سے زندگی نہیں سنواری جاتی۔" اس کے حلق میں پانی اٹکنے لگا، آنکھ میں نم آ گیا جیسے مدتوں بعد سامنے بیٹھی لڑکی کے آنسو اس کی آنکھیں کہیں سے سمیٹ لائی تھیں۔

"کسی کے آنسو کیا ہنسی میں قید کیے جا سکتے ہیں۔" اگلا اور بے تکا سوال ہوا۔

"شاید، جب آنسوؤں کی شدت بڑھ جائے تو ہنسی انہیں دل گیری سے مانگ لیتی ہے جیسے مدتوں ممتا کے لیے تڑپتی ہوئی کوئی دعا، کسی اور کی اولاد کو لے کر پالنا شروع کر دے، اس کی ممتا میں فرق ہو نہ اس کی دلداری میں، مگر سر آپ کو اس کے آنسو ہنسی میں قید کرنے کا سودا کیوں سمایا۔"

شہریار علی جواد نے روٹھے لفظوں کو ایک بار پھر سے منانے کی کوشش کی تھی۔

"صبا کیا کوئی بہت گناہ گار انسان معافی مانگے تو دوسرا انسان اسے معاف کرنے کا ظرف رکھتا ہے۔" بے چینی اس لڑکی کی آنکھوں میں سمٹ آئی تھی۔

"میرا تجربہ ہے سر معافی صرف اس کی محبت بخشتی ہے، انسان انسان کو بہت کم معاف کرتا ہے۔"

"مجھے کبھی اپنے کسی عمل پر کوئی شرمندگی نہیں، معافی مانگنا میرا شیوہ نہیں سر جھکانا صرف غریب مجبور اور بے بس لوگوں کا شیوہ ہے اور شہریار علی جواد غریب ہے نہ مجبور نہ ہی بے بس۔" ایک اور یاد اس کے سامنے کرخت آواز میں اس کے دل کو ڈسنے لگی۔

"اگر کوئی کہے زندگی میں اس نے کوئی اچھا کام نہیں کیا مگر اس کے دل میں حسرت ہے کہ اس کا شمار ان لوگوں میں کیا جائے جن پر اس نے اپنا کرم کیا تو صبا کیا تم مجھے اس بخشش کی بارش میں بھیگنے کا موقعہ دو گی۔ صبا حمزہ کیا تم مجھے معاف کر سکو گی۔" وہ ہاتھ جوڑے دل گیری سے پکارا تھا۔

صبا حمزہ کی آنکھوں میں اس کی ذات کی بے توقیری سے ساون امنڈ آیا تھا اس شخص کو اس نے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا تھا اور جو چیزیں عزیز ہوں ان کی بے توقیری خود اپنے سامنے بھی گراں ہو جاتی ہے۔

"تم دیکھنا یہ شخص ایک دن خود چل کر تمہارے پاس آئے گا خود کہے گا۔ صبا حمزہ مجھے معاف کر دو میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔" کسی اور وقت کسی اور موسم میں، ثانیہ نے اسے گلے لگا کر ایک یقین دیا تھا اور اس نے اس یقین کو ایک دوست کی طرف سے دی گئی ڈھارس سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی، تو کیا ثانیہ وقت سے آگے جھانک سکتی تھی۔ یا یہ محض ایک اتفاق تھا۔

شہریار علی جواد ابھی تک سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"بہت سی لڑکیاں آئی گئیں، میں دوستوں کا بہت اچھا دوست ہوں، اگر میرا ساتھ قبول ہو تو میرے گیسٹ ہاؤس کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کھلے ہوئے ہیں، لیکن اگر تم دوسری لڑکیوں کی طرح گھر، شادی کے خواب دیکھ رہی ہو تو تم غلطی پر ہو، شادی

کے لیے شہریار علی کی پسند بہت اعلا ہے اس پر تم جیسی لڑکیاں پوری نہیں اتر سکیں' تم چھوٹے گھروں کی لڑکیاں صرف ملازمائیں بنائی جا سکتی ہیں یا گہری رات کے اندھیرے کا کوئی وقتی رشتہ' مگر یاد رکھو اس وقتی رشتے میں بھی میں تمہیں اتنا بخش دوں گا کہ تمہاری کئی پشتیں آرام سے عیش سے زندگی گزار سکتی ہیں' کتنی لڑکیوں کی زندگی شہریار علی جواد نے بنادی ہے۔"

فرعون' ماضی کا کوئی — کردار نہیں تھا یہ تو ایک سوچ کا نام تھا اور یہ سوچ اہرام مصر سے باد سموم کی طرح بہت سے دلوں کو آج تک بھکارہی تھی فانی سی زندگی فانی سی جوانی' نے لافانی موت کے آگے کبھی بھی کسی بھی لمحے ہار جانا تھا مگر پھر بھی فرعونیت بھرا لہجہ۔

"میں اپنی زندگی نہیں بنا سکا اور دوسروں کی زندگی بنا دینے کا خدائی دعوا کرتا تھا' صباحمزہ کیا تم ایک احسان کر سکتی ہو۔"

صباحمزہ کے پورے وجود میں بے قراری سے چبھن ہونے لگی تھی' یہ شخص اسے زندگی میں سب سے زیادہ عزیز ہے مگر اس کی آنکھوں میں آنسو' اسے اپنا دل پگھلتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

"بولو شہریار۔" بہت مدھم آواز صباحمزہ کے وجود سے لڑ کر باہر آکر شہریار کے قدموں میں آن بیٹھی تھی۔

"جب میری نبضیں ڈوبنے لگیں جب زندگی کے بس میرا تمہارا ساتھ یہیں تک تھا تو کیا تب تم اپنی محبت کا زاد راہ میری خالی روح کو دان کرو گی' لمحہ بھر کو رک کر کیا نہیں میرا دل کیوں چاہتا ہے میرے مرنے پر صرف تم روؤ' زمین آسمان ایک کر دے' کیونکہ میرا دل جانتا ہے صرف تم ہی مجھ سے محبت کرتی ہو' میں جتنا برا ہوں' جتنا کم ظرف ہوں' صرف تم ہو جو آج بھی مجھ سے محبت کرتی ہو اور عمر بھر مجھ سے محبت کرو گی۔"

صباحمزہ کا ضبط بکھر گیا تھا وہ اپنی آواز کے ساتھ خود بھی شہریار کے قدموں میں آن بیٹھی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے شہریار آپ ایسی بچھڑنے کی باتیں کیوں کر رہے ہیں میرا دل نہ دھڑکا میں۔" شہریار علی جواد نے دھند کے پار سے صباحمزہ کو دیکھا تھا۔

"میں آج ثانیہ سے بھی ملا تھا' وہ جو ہمیشہ کچھ نہ پیشکش کرتی رہتی تھی اور جس کا میں ہمیشہ مذاق اڑاتا ہوا کہتا تھا کہ یہ لڑکی صرف منفرد بننے اور دوسروں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتی ہے کیونکہ والے گیٹ اپ میں کوئی پاگل ہی ہوگا جو اسے گھاس ڈالے گا' ثانیہ جیسی لڑکیاں صرف ساس بنائی جا سکتی ہیں بیوی نہیں' میں دو دن پہلے اس کے پاس گیا' صبا وہ لڑکی مجھ سے ایسے ملی' مجھے یقین آگیا کہ اللہ کے لیے اللہ کے بندوں سے ملنا کیا ہوتا ہے' اللہ کے لیے اللہ کے بندوں کو معاف کرنا کیا ہوتا ہے۔

اس نے کسی بہن کی طرح مجھے اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور کہا' مجھے بس تمہارا ہی انتظار تھا' مجھ پر جس کا جو حق تھا وہ میں دے چکی تھی تمہاری معافی کے تھے جو ابھی تک میری جھولی میں پڑے تھے' یہ معافی میری روح کو باندھے ہوئے تھی' میں جو عرض گزار تھی مجھے آنا ہے تو کوئی کہتا' ابھی رک ایک بندہ ہے جو پورے دل سے معافی کی امید لے کر آئے گا۔ وہ میرا عزیز بندہ ہے' اس کی امانت اس تک لوٹاتا پھر سارے دروازے کھلے ہیں تیرے لیے۔"

صباحمزہ کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔

"ثانیہ آپی۔" وہ کچھ کہتے کہتے ڈر گئی تھی اور شہریار علی جواد نے سر اٹھا کر دکھ سے کہا تھا۔

"ثانیہ آپی اب اس دنیا میں نہیں رہیں' دو دن کومے میں تھیں اور آج جب میں نے تمہارے گھر کی طرف قدم اٹھائے تو ثانیہ آپی کے بھائی کا پیغام تھا کہ وہ اب جا چکی ہیں سارے دروازے ایک دم کھل گئے تھے۔"

"آپ کو کیا ہوا ہے۔" وہ ثانیہ کو بھول کر شہریار جواد کے وجود میں سمٹ گئی تھی مگر ایک حیا اب دونوں کے بیچ خاموش عہد کی طرح کھڑی تھی۔

"ڈاکٹر کہتے ہیں شاید میں مرجاؤں' شاید آپریشن کے بعد بچ جاؤں' مگر شاید بھری امید کو میں کسی خواب کا ریشم نہیں تھما سکتا' میں جو تمہارے سامنے

ہوں ہو سکتا ہے کبھی تم میرے سامنے بیٹھی ہو اور میں تمہیں اس طرح پورے دل سے دیکھ بھی نہ سکوں' تم میرے خاموش دل میں دھڑکے جاؤ مگر تمہیں میں سنائی بھی نہ دوں' میں اس لیے چاہتا تھا' مجھے اس رب کے لیے معاف کر دو جس نے تمہیں بھی کئی چھوٹے چھوٹے گناہوں پر معاف کیا ہوگا' مجھے معافی مانگنی نہیں آتی کیونکہ میں نے زندگی میں کبھی معافی مانگی ہی نہیں مگر تم معاف کر دو گی تو مجھے معافی مانگنے کا ہنر آجائے گا۔" صباحمزہ نے بے قراری سے اس کے ہاتھ چوم لیے تھے۔

"مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں شہریار' کیونکہ آج بھی اگر میرے ہونٹ ہنسی کا ذائقہ چکھتے ہیں تو اس کی وجہ تم ہوتے ہو۔"

"میں اور کسی کی ہنسی کی وجہ۔"

"ہاں تم ہو میری ہنسی' میری خوشی' میری زندگی میں آج بھی تمہاری محبت کی چادر میں سمٹی ہوئی معاشرے کی تلخ نوائیاں سہہ جاتی ہوں۔ چبھتی ہوئی نظریں پی جاتی ہوں۔" شہریار علی جواد نے باہیں کھول دی تھیں۔

"کیا تم ایک مسافر کو اپنی زندگی کا گھر دو گی جہاں زندگی کی شام وقت سے پہلے بھی آجائے تو روح میں بچھڑتے وقت بھنور نہ پڑیں بچھڑنے کی ہوک سے سانس میں پھندے نہ لگیں۔" صباحمزہ نے سر ہلا کر زندگی سے اس کا ساتھ مانگ لیا تھا۔

شہریار علی جواد کھانے کے بعد وہاں سے اٹھا تھا اور گھر آکر پہلی بار اسے گہری نیند نے باہوں میں سمیٹ لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں' انکل' یہ انصاف نہیں ہے۔" جازی حیرت زدہ کھڑا تھا۔

"میں چاہتا ہوں اس کا جلد سے جلد آپریشن ہو جائے مگر۔"

"مگر کیا۔؟"

"بات کڑوی ہے مگر میں چاہتا ہوں آپریشن سے پہلے ایک بار شہریار کو پتا ہونا چاہیے ایمان سے اس کا کیا رشتہ ہے' تم سمجھ رہے ہو نا قانونی معاملات۔"

"اللہ نہ کرے انکل' شہریار ٹھیک ہو جائے گا۔" راشد کیانی دکھ سے بولے تھے۔

"میرا دل بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ جلدی سے ٹھیک ہو جائے بلکہ اگر میری زندگی کے بدلے اس کی زندگی مل سکتی ہے تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں' مگر زندگی تلخ حقائق کا نام ہے۔"

"میں ابھی سے موقع دیکھ کر بات کروں گا' دیکھیے انکل ایمان کا مسئلہ یہ ہے کہ اس نے زندگی کی تلخیوں کو خود سے الجھا کر رکھا ہے اور اس کہانی میں وہ قطع و برید کی قائل نہیں پھر اصفی نے بھی اس کا دل علی انکل کی طرف سے خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی آپ تو جانتے ہیں ناں' اصفی اور ایمان میں بس ایک سال کا فرق ہے پھر صفورا خالہ کے معذور ہو جانے کے بعد ماما نے ہی اسے اصفی کے ساتھ پالا ہے' میں ذمہ داریوں کی وجہ سے کبھی ان کے ساتھ اکٹھا رہ نہیں پایا اور ماما کی اپنی مصروفیات تھیں دونوں بچوں نے اپنی طرف سے کچھ باتیں فرض کر لی ہیں اور ان باتوں کے پیچھے بہت ساری داستانیں چھپی ہیں۔" جازی' مصافحہ کر کے نکل گیا اور ڈاکٹر راشد کیانی خلاؤں میں گھور رہے تھے۔

"مجھے پتا ہے تمہیں شہریار سے بہت محبت ہے مگر اسے اپنے پاس اتنی جلدی مت بلاؤ علی' ابھی تو اس کی آنکھوں نے خواب دیکھنے بھی شروع نہیں کیے' تم کہتے تھے نا تم خوش قسمت بننے والے ہو بیٹی کا باپ بن کر تو علی شہریار کو بھی اس خوش نصیبی کی بھیک دو' آب جو سے پیاس بجھانے دو' اپنی طرح کی اسے تشنہ لبی مت سوغات کرو پلیز علی' میں اپنے یار علی کو ایک بار پھر مرتے نہیں دیکھ سکتا۔"

☼ ☼ ☼

ٹی وی پر کوئی بزنس چینل لگا ہوا تھا جہاں شہریار بھی

مدعوئین میں شامل تھا اور جازی بھیا بہت شوق سے یہ پروگرام دیکھ رہے تھے۔

"دنیا میں کچھ اچھا نہیں بچا دیکھنے کو جو آپ اس شخص کو دیکھ رہے ہیں۔"

"کس شخص کو؟" وہ جان کر انجان بن گیا تھا۔

"اس شہریار علی جواد کو۔"

"تو تم اسے جانتی ہو' واہ بھئی مجھے معلوم ہی نہیں تھا میری بہنا اینکر پرسن بن کر آج کل بڑے بڑے لوگوں کو جاننے لگی ہے۔"

"بڑے بڑے ناموں کے پیچھے بہت چھوٹے چھوٹے لوگوں کو اچھی طرح دریافت کرنا آگیا ہے مجھے۔" جازی نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"معاف کر دینا اچھی عادت ہے۔" وہ ان کے برابر صوفے پر بیٹھ گئی پھر روکھے لہجے میں بولی۔

"میں چاہ کر بھی اس شخص کو کبھی معاف نہیں کروں گی بھیا یہ ایک ایسے شخص کی اولاد ہے جس نے میری ماما کو معذور کر کے موت کی آغوش میں دھکیل دیا میں نے پورے دس سال اپنی ماں کو بستر پر اور پھر بستر سے قبر میں اترتے ہوئے دیکھا ہے' میری زندگی کی بہت ساری چھوٹی چھوٹی کہانیاں بہت بڑے بڑے دکھ بن کر ان کی موت سے گلے مل آئیں گھر میں اکیلی کھڑی انتظار کرتی رہی کہ کبھی تو ماما اس شخص کی محبت کے حصار سے نکلیں گی' کبھی تو انہیں بھی یاد آئے گا کہ انہوں نے ایک زندگی کو جنم دیا تھا جو ان کے خاموش ہوتے ہی خود بھی گونگی ہو گئی مگر ماما کو میرا خیال نہیں آیا جازی بھائی ایک بار بھی نہیں اور وہ چپکے سے مر گئیں۔" وہ اتنے پرانے دکھ پر نئی طرح سے رونے لگی تھی' جازی نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"تم یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ علی انکل ایسے ہی تھے کہ کوئی ان پر اپنا دل ہی نہیں اپنی جان بھی ہار دیتا۔"

"آپ کیوں ان کی حمایت کر رہے ہیں۔" وہ چڑ گئی تھی۔ اور وہ نرم لہجے میں پکار رہے تھے۔

"میں اس وقت سترہ برس کا تھا جب خالہ کا نکاح علی انکل سے ہوا اور میں نے ہمیشہ انہیں بہت خیال کرنے اور محبت کرنے والا پایا' زندگی نے ان سے وفا نہیں کی ورنہ مجھے یقین ہے وہ تمہیں شہزادیوں کی طرح پالتے انہیں بیٹی کا بہت شوق تھا' ایک امانت ہے میرے پاس تمہارے لیے۔" انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر پڑی ڈائری اس کی طرف بڑھائی تھی۔

"یہ خالہ کی خاص ڈائری تھی جو وراثت میں تقسیم پر میں نے اٹھائی' کیونکہ اس وقت بھی مجھے محبت لفظ اور جذبے متاثر کرتے تھے۔" اس نے ڈائری لی تھی اور کمرے میں لا کر بیڈ پر پٹخ دی تھی۔

"مجھے کسی سے نہیں ملنا میں سب سے ناراض ہوں۔" وہ پردے گرا کر لیٹ گئی تھی اور ڈائری اس کے سرہانے پڑی گنگنائے جا رہی تھی کبھی ہلکے کبھی تیز۔

☼ ☼ ☼

اسے بہت حیرت ہوئی تھی جب آفس سے اسے کال کی گئی تھی' وہ ڈری سہمی شہریار کے روم کے باہر ویٹنگ روم میں بیٹھی تھی۔

وہ کسی خاص میٹنگ میں تھا اور اس کی سیکریٹری نے اسے قابل غور نہیں جانا تھا تین ماہ نوکری چھوڑ کر گھر بیٹھ جانے سے اس کی حالت کسی چوراہے پر بیٹھی ہوئی فقیرنی جیسی ہو گئی تھی' سیکریٹری کا رویہ بالکل بجا تھا۔ یکدم شہریار مہمان کو دروازے تک چھوڑنے آیا تھا اور اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

"سر مجھے کہا گیا تھا مجھے آپ نے بلایا ہے' آپ غصہ نہ کریں میں واپس چلی جاتی ہوں۔" وہ اس کے غصے سے یہی سمجھی تھی۔ اور شہریار علی سامنے بیٹھی لڑکی کو گھور رہا تھا۔

"آپ نے انہیں انتظار کیوں کروایا۔"

"آپ کب سے آئی ہوئی ہیں مس سرفراز۔"

"جی دو گھنٹے سے سر۔" اس کا لہجہ ملتجی تھا جیسے اسے گمان ہو اس بار بھی ہر کام میں اس کی غلطی نکلے گی اور وہ اسی رعونت سے کہے گا' آپ جیسے حلیے کے لوگوں کو میں بھیک دینا پسند نہیں کرتا اور آپ یہاں میرے آفس کے سامنے میری کمپنی کے اتنے مہنگے صوفے پر بیٹھی ہیں' تو کس چیز کا انتظار ہے آپ کو آپ کو کیا لگتا ہے شہریار علی آپ کو کیا دے گا کوئی اعزاز کوئی تمغہ نہیں مس سرفراز آپ صرف قابل ذلت ہیں اور بس۔ نکل جائیے میری کمپنی سے۔

"مس سرفراز پلیز میرے کمرے میں چلیے۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئی تھیں مگر وہ حکم بجا لائی تھی۔ پھر وہ کرسی کے قریب بھی نہیں پہنچی تھی۔ شہریار علی جواد نے خود اس کے لیے کرسی کھسکائی تھی۔

وہ صم بکم بیٹھ گئی تھی اور شہریار علی جواد نے اس معصوم لڑکی کو دیکھا تھا جس کو اس کے فیصلے نے عرش سے فرش پر گرا دیا تھا' اس کا ملگجا سوٹ اس کا مایوس چہرہ۔

"میں ہر روز گھر سے نکلتا ہوں اس امید میں کہ کسی کے ہونٹوں کو مسکراہٹ قرض دے سکوں' تمہیں پتا ہے شہریار کسی کے چہرے کی ایک مسکراہٹ ایک سال میں کمائی جانے والی رقم کے برابر نہ سہی مگر کم بھی نہیں ہوتی یہ ایسا قرض ہے جس کا سود حرام نہیں کیوں کہ کسی کی زندگی کو امید ڈھارس اور مسکراہٹ دینے والے بندے اس کی بارگاہ میں کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹائے جاتے۔" ایک ماضی کی سب سے خوب صورت آواز پھر سے گونجی تھی اس کے دل میں لیکن اس فلسفے کے برخلاف اس نے پتا نہیں کس کس کے چہرے سے ہنسی نوچی تھی' کس کس کی زندگی پی گیا تھا' انسان غلطی کرتا ہے یہ اس کی سرشت ہے مگر معافی مانگنا تو یہ صرف اس کی خاص عنایت کے سوا کچھ نہیں اور معافی کی سمت ہر قدم کو نصیب نہیں ہوتی" اور میں بہت خوش قسمت لوگوں میں شمار ہونا چاہتا ہوں۔" دل کے اندر پھر وہی گیان گونجا وہی آواز شہریار علی جواد نے دوبارہ مس سرفراز کو دیکھا اور سوچا' اس کی زندگی میں کتنے اچھے لوگ تھے مگر اس نے اپنی مرضی سے لوگوں کو چنا اور اپنے گرد بہت سارے پتھر جمع کر لیے' سخت کھردرے' بے رنگ پتھر' اور ان سب لوگوں کو چھوڑ دیا جو خاص اللہ نے عنایت کر کے اس کے پاس بھیجے تھے کہ وہ اس کی زندگی فلاح کے راستے پر لے جاتے' پہلے اسے بہت زعم تھا کہ وہ جس راستے پر چل پڑتا ہے منزل خود بخود بھاگ کر اس راستے کے کوس گننے لگتی ہے مگر اب کھلا تھا وہ سنگ میل کی طرح ایک جگہ کھڑا تھا اور سفر تو آگے ہی آگے طے ہوا تھا۔

"مس سرفراز کیا آپ معاف کر دینے کی نرمی پر یقین رکھتی ہیں۔"

"میں روزانہ سب کو معاف کر کے سوتی ہوں سر مگر زندگی میں بہت کم انسان معاف کرتے ہیں۔" مس سرفراز نے جواب دیا تھا۔

"کیا جب آپ روز سوتے وقت سب لوگوں کو معاف کیا کرتی تھیں تو کیا ان میں شہریار علی جواد کا نام ہوتا تھا۔" مس سرفراز کی آنکھیں آنسو بہانے لگی تھیں۔

"سوری سر مگر یہ سچ ہے میں جب سب کو معاف کر کے سوتی تھی تو شہریار علی جواد کو بھر بھر کے بددعائیں دیا کرتی تھی' اس شہریار علی جواد کو جس نے مجھے عرش سے فرش پر پٹخ دیا تھا' مجھے میرے گھر میں تیسرے درجے کا شہری بنا دیا تھا میں نوکری کر کے جب تنخواہ اپنی بھابھی کے ہاتھ پر رکھتی تو میرا سر اپنی ذات کے فخر سے دو انچ بلند ہوتا تھا گھر کے ہر کام میں میری رائے کو اہمیت دی جاتی تھی مگر نوکری کے بعد میں کسی چوراہے پر بیٹھی ہوئی فقیرنی بن گئی تھی جسے ساری پلیٹوں کا بچا ہوا کھانا ملتا تھا اور کبھی بھوکے پیٹ سونا پڑتا تھا جس سے اس کا کمرہ چھین کر ڈرائنگ روم میں لا کر پٹخ دیا گیا تھا' مگر سر آپ ٹھیک کہتے تھے' پھر آپ توقع کیوں رکھتے تھے کہ میں معاف کیے جانے والے لوگوں میں آپ کا نام لکھتی' میں عام انسان ہوں سر ابو بن ادھم نہیں کہ کسی فرشتے کو کہتی مجھے ان لوگوں میں لکھو جو اللہ کے بندوں سے اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں میں ولی نہیں میں عام انسان ہوں سر۔" وہ بولے جا رہی تھی اور شہریار علی جواد سنے جا رہا تھا۔۔۔ وہ بول بول کر تھک چکی تو سفاکی سے پوچھنے بیٹھ گئی۔

"کیا میں خود اٹھ کر چلی جاؤں یا آپ اپنے محافظوں سے اٹھوا کر مجھے باہر پھینکوائیں گے سر۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آگیا تھا۔

"مس سرفراز میں چاہتا ہوں آپ جب آج کے بعد سوئیں تو معاف کیے جانے والے لوگوں میں میرا نام سب سے پہلے لیں' مجھے بخشش کا لالچ نہیں بس میں چاہتا ہوں جتنا آپ ان تین ماہ میں روئی ہیں آپ اتنا ہی ہنسیں' پلیز مس سرفراز۔" اس نے لیٹر اس کی طرف بڑھایا تھا' بے یقینی سے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

اور وہ کمر موڑے بولا تھا۔

"آج سے آپ ہماری کمپنی کی تاحیات ملازمین میں شامل ہیں' میں رہوں یا نہ رہوں مگر آج کے بعد آپ کو اس کمپنی سے کوئی نہیں نکال سکتا۔" اس نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"میں چاہتا تو یہ تھا کہ آپ بغیر محنت کے گھر بیٹھے سیلری لیتی رہیں مگر یہ معاشرہ بھی برا ہے اور میری شہرت بھی' اس لیے میں نہیں چاہتا کوئی میری بہنوں جیسی ساتھی کو میرے حوالے سے الزام دے اور خود آپ کی معصوم عزت نفس کو ضرب لگے۔" وہ خواب کی سی کیفیت میں اس کے ساتھ اٹھی تھی اور وہ سارے اسٹاف کے سامنے کھڑا تھا۔

"مس سرفراز کے ساتھ جو غلط رویہ میں نے بند کمرے میں اختیار کیا اس کی معافی میں آپ سب کے سامنے مانگنا چاہتا ہوں کیونکہ مس سرفراز کی عزت نفس' ذات کا فخر میری امارت سے کسی طور کم تر نہیں' سب حیرت زدہ سے شہریار علی جواد کی اس کایا پلٹ کو دیکھ رہے تھے اور مس سرفراز دھیمے دھیمے اس کی تبدیلی کو اس کے لفظوں میں سے نتھار کر ان سب کے سامنے ظاہر کر رہی تھی وہ وہاں سے جا چکا تھا۔ تبھی کسی دل جلے نے کہا۔

"سب دکھاوا ہے جب سے پتا چلا ہے وہ مرنے والا ہے تب سے سوانگ رچایا ہے اچھا بننے کا' وہی بات ہوئی رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔"

مس سرفراز نے کہنے والے کی ٹیبل پر ہاتھ مارا تھا۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو شہریار صاحب کو کچھ ہونے والا ہے' وہ مرنے والے ہیں؟"

"میرا دوست جس ہسپتال میں کام کرتا ہے وہاں یہ ہفتے میں دو دن ضرور چیک اپ کے لیے جاتے ہیں' دماغ کا کینسر ہوگیا ہے' تبھی تو شیطان سے ایک دم ولی کا روپ دھار لیا ہے۔ معافیاں شافیاں ایسے نہیں ملتیں' کالے دل آخری وقت تک کالے رہتے ہیں۔"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کالے دل آخری وقت تک کالے رہتے ہیں کیا کبھی تم نے اکیلے میں اپنی کسی غلطی کی معافی مانگی' ہر انسان یہ سمجھتا ہے وہ ایک نیک پاک باز انسان ہے جس سے کوئی غلطی نہیں ہوئی اور معافی مانگنے والے کو لفظوں سے رگید دیتے ہیں' کبھی سوچا ہے کتنے لوگ ہیں جنہیں موت کا یقین ہو تب بھی وہ بخشش مانگتے ہیں' معافی اور توبہ کے ٹھنڈے میٹھے سمندر کا پانی پیتے ہیں' بس چند لوگ' جن کو وہ توفیق دے اور جسے اس کی طرف سے توفیق ملے اس کے لیے جہنم کی گارنٹی تم کیسے دے سکتے ہو کیا تمہیں پتا ہے تم جنت میں جاؤ گے' ہم میں سے کتنے لوگوں کو پتا ہے وہ جنت میں جائیں گے۔" مس سرفراز کا سانس تیز ہو رہا تھا اور اس نے اس ملازم کو اس کی کرسی پر دھکا دے کر کہا تھا۔

"جنت صرف اس کی دی گئی رحمت عنایت کے سوا کچھ نہیں عمل' کچھ نہیں اگر وہ قبولیت کے درجے تک نہیں پہنچا۔ عمل پل صراط سے گزرنے سے بھی مشکل' سخت مبہم ہے' ہم صرف سوچ سکتے ہیں گزر جائیں گے مگر جب ہم سوچتے ہیں گزر جائیں گے تو شفاعت' رحمت کے پل پر عمل کے پل پر نہیں۔" وہ کہہ کر اپنے کیبن میں واپس چلی گئی تھی۔

شہریار اپنے روم میں آنے والا فون سن کر ہراساں ہوگیا تھا۔



"اتنا بڑا فراڈ میرے دستخط! اس کی مجال ہے جو مجھے دھوکا دے۔" وہ اب بھی بے یقین تھا مگر جب قانونی نوٹس ملنے شروع ہوئے تو وہ حیرت زدہ رہ گیا تھا' بہت سی کمپنیز کو اس کے دستخط شدہ لیٹر ہیڈ کے ساتھ بزنس کی پیشکش کی گئی تھی اور رقم اس اکاؤنٹ میں جمع کروائی گئی جس کے متعلق شہریار علی جواد لاعلم تھا' تحقیقات کروانے پر پتا چلا وہ اکاؤنٹ دو ہفتے پہلے ہی سیل کروایا گیا ہے۔

وہ سارے خطوط دیکھ رہا تھا دستخط اسٹیمپ' لیٹر ہیڈ' ای میلز میں باقاعدہ کی گئی گفتگو۔

"یہ میری آئی ڈی نہیں ہے۔" وہ پہلی بار جھنجلایا تھا۔

"صرف بات آئی ڈی کی نہیں کمپنی کی طرف سے میٹنگز ہوئی ہیں۔" وہ چونک کر پلٹا تھا' اپنے وکیل کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"مگر میٹنگ کے بعد کسی نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا۔" وہ اب بھی صدمے میں تھے۔

"کیا گیا تھا اور آپ کے نمبرز سے انہیں میسجز بھی فارورڈ ہوئے ہیں۔"

"میرے موبائل سے......" اس کا چہرہ حیرت کے شدید تاثر سے بھر گیا تھا اس نے موبائل ٹیبل پر اس طرح پٹخا تھا جیسے' موبائل کی بیپ سے کوئی دھماکہ ہونے کا خطرہ تھا' اس کا دماغ تیزی سے ان دنوں قریب ہونے والوں کی فہرست کھنگال رہا تھا' مگر ان سب میں بھی کوئی بھی اتنا قریب نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے موبائل کو استعمال کرنے کا خیال بھی اپنے دل میں لاتا۔

"کون آیا کب آیا' اتنا قریب......" وہ بے قراری سے ٹہل رہا تھا تین رکنی ٹیم' اس کی طرف متوجہ تھی تب اچانک جھما کا ہوا۔

"تم۔ A بالکل میری طرح ڈالتی ہو مگر تمہارے A کا ایک راؤنڈ زیادہ ہوتا ہے مگر یہ اتنی باریک بات ہے کہ میں نے بھی پورے ایک ماہ بعد نوٹس کی ہے یہ بات۔"

"ایمی۔" اس کے لب ہلے تھے۔

"آپ کو دھوکہ وہ دیتا ہے جو آپ کا دوست ہو کیونکہ دشمن کو تو آپ ویسے ہی ہر وقت نگاہ میں رکھتے ہیں۔" اور وہ دوست سمجھ کر مات کھا گیا تھا' وہ کچھ کہے بغیر میٹنگ روم سے نکل آیا تھا' اپنے آفس میں آکر بیٹھا تھا۔

"سلمان آفندی کو اندر بھیجو۔" اس نے انٹر کام پر سکریٹری کو کہا اور اس کے لیے جواب حیرت انگیز تھا۔

"مسٹر سلمان آفندی استعفیٰ دے گئے ہیں۔"

"سلمان آفندی ان کے آفس کے اتنے پرانے آفیسر تھے۔" آفس میٹنگ میں ہمیشہ اس کے داہنے ہاتھ پر بیٹھتے تھے۔

وہ یکدم اٹھ کر ایچ آر ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھا تھا اور حیران رہ گیا تھا۔

ایمان صفورا اس کا آفس چھوڑ چکی تھی مگر اس کے ایچ آر ڈیپارٹمنٹ سے نکل رہی تھی' اس نے پہلے سوچا وہ آواز دے کر اسے روک لے مگر پھر وہ اس کے پیچھے چلنے لگا اور حیران رہ گیا' جب وہ گاڑی میں بیٹھ کر جس راستے پر جا رہی تھی اس راستے پر تو اس کا گھر نہیں تھا' یہ تو پوش ایریا تھا پھر وہ سب سے شاندار گھر کے سامنے کھڑی ہارن دے رہی تھی۔

"یہ یہاں رہتی ہے اتنے محل نما گھر میں مگر اس نے اپنی سی وی پر تو کوئی اور ایڈریس دیا تھا۔" وہ بری طرح الجھ گیا تھا۔

جب شام کو راشد کیانی حیران اس کے سامنے بیٹھے تھے۔

"آپ کو کس نے پریشان کر دیا۔"

"جمیل آیا تھا آج ہسپتال' وہ کہہ رہا تھا اگر عدالت سے باہر معاملہ نبٹاتا ہے تو بہت بڑی ہرجانے کی رقم دینی پڑے گی' وہ تو شکر ہے معاملہ صرف پاکستان میں خراب کیا' جس نے بھی کیا' اگر بین الاقوامی طور پر ہوتا تو کمپنی بلیک لسٹ ہو جاتی' علی جواد کی برسوں کی محنت ذرا سی دیر میں خاک میں مل جاتی۔"

"خاک سے اٹھنے والی ہر چیز خاک میں ملنے کے لیے ہوتی ہے انکل وہ نام ہو وجود ہو یا غرور...... سب

کچھ۔۔۔ آپ کو نہیں لگتا علی جواد کی سب سے قیمتی دولت بھی مٹی میں ملنے کے لیے دن گن رہی ہے۔" راشد کیانی کی آنکھوں کو درد کے سمندر نے پہلی بار اتنی جلدی بھگو دیا تھا۔

"نہیں مجھے نہیں لگتا' کیوں کہ معجزے آج بھی ہوتے ہیں شرط صرف یقین کی ہے۔"

"معجزے اور وہ بھی مجھ جیسے انسان کے لیے' کیا آپ کو نہیں لگتا یہ بیماری بھی میرے گناہوں کی قسط در قسط وصولی ہے۔" راشد کیانی نے اسے کندھوں سے تھام لیا تھا۔

"نہیں مجھے نہیں لگتا کیونکہ' آزمائش اور سزا میں جو ایک باریک پردہ ہے اس سے تم اپنی روح میں جھانک کر خود سے مل آئے ہو۔"

"آزمائش اور سزا۔" وہ سگریٹ سلگانے لگا تھا ڈاکٹر راشد کی خفا آنکھوں کے باوجود۔

"ہاں کسی دانا نے کہا تھا' جب کوئی تکلیف تمہیں اللہ سے قریب کر دے وہ ہماری آزمائش ہوتی ہے اور جو تکلیف ہمیں اللہ سے دور کر دے وہ سزا۔" وہ چمکتی آنکھوں سے راشد کیانی کو دیکھنے لگا اب وہ مسکرا رہا تھا۔

"بہت ذہین لڑکی ہے وہ انکل اگر آپ دیکھ لیں نا تو شرلاک ہومز کو بھول جائیں' ابن صفی کے عمران کو یاد کر کے مسکرائیں۔"

"کون لڑکی۔۔۔ پھر کوئی لڑکی۔" راشد کیانی کا لہجہ پہلے سوالیہ ہوا پھر بے زار' وہ مسکرانے لگا۔

"نو نو۔۔۔ آپ غلط مت سمجھیں' وہ ایکس وائی زیڈ قسم کی لڑکی نہیں وہ بہت خاص لڑکی ہے۔"

"جیسے صبا حمزہ۔۔۔" وہ اب چڑ گئے تھے۔

"ہاہاہا۔۔۔ صبا حمزہ وہ تو ایک فیری لینڈ کی پری ہے جس نے میری زندگی بدل دی اور یہ لڑکی۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں بولو یہ لڑکی۔۔۔ کون ہے یہ لڑکی۔"

"میری سینڈریلا' میرا دل چاہتا ہے میں اس کے ناز اٹھاؤں وہ جتنا چاہے مجھ سے لڑے' جتنا چاہے مجھ سے فرمائشیں کرے مجھ پر حکم چلائے' میرے چھوٹے چھوٹے کام کرنے پر مجھ سے بھتہ وصول کرے یا دوں تو خود میری جیب میں ہاتھ ڈال کر میرا والٹ نکال لے اور جتنا مرضی چاہے خرچ کرتی جائے' چاہے مجھے کنگال کر دے۔" وہ کہتے کہتے پلٹا تھا مگر ڈاکٹر راشد کیانی وہاں نہیں تھے۔

"یہ کہاں چلے گئے ہیں اتنی مزے کی باتیں کر رہا تھا آج میں۔" اس نے گہرا کش لیا اور اس کے ہونٹوں کو مسکراہٹ کے الوہی احساس نے یکدم چھو لیا تھا۔

"صبا حمزہ۔۔۔ اور ایمان صفورا' میری فیملی کمپلیٹ ناں۔" وہ خود کو جیسے کسی خوشی کا احساس دلا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

جازی سامنے بیٹھا تھا اور شہریار حیرت سے کبھی ڈاکٹر راشد کو دیکھ رہا تھا کبھی سامنے لگی علی جواد احمد کی پورٹریٹ کو۔

"مسٹر جازی میرے لیے کیا بہتر کر سکتے ہیں انکل میں انہیں جانتا ہی کتنا ہوں۔"

"جازی ایک بہترین وکیل ہے وہ تمہیں اس مسئلے سے نکال سکتا ہے جس میں آج کل تم پھنس چکے ہو۔" شہریار مسکرایا تھا۔

"انکل میں کسی مسئلے میں نہیں پھنسا بلکہ میں آج کل کی سخت صورت حال سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔" مسئلہ اور لطف جازی کو پہلی بار حیرت ہوئی تھی اور وہ صوفے پر بیٹھ کر حیرت زدہ سا بولا تھا۔

"جب آپ کسی سے بے تحاشا محبت کرنے لگیں تو آپ کا وہ پسندیدہ شخص آپ کو سڑک پر بھی لے آئے تو بھی آپ کا دل نہیں دکھتا' آج کل میں تکلیفوں میں مزے ڈھونڈ رہا ہوں۔"

"مسٹر شہریار کیا آپ نے ایف آئی آر درج کروائی ہے۔"

"نہیں تو مجھے لگتا ہے اس طرح میری کمپنی کی ساکھ کو دھچکا پہنچے گا۔"

"اور جو ان جھوٹے کانٹریکٹ سے تمہاری ساکھ خراب ہو رہی ہے۔"

"ہم ہرجانہ دے دیں گے۔"

"تمہیں پتا ہے تمہارا کتنا سارا پیسہ پہلے سے مارکیٹ میں باؤنڈ ہے ہرجانہ دے کر کہاں جاؤ گے۔" ڈاکٹر راشد خفا اور پریشان سے پکارے تھے۔

"میرے خیال میں اتنا اثر نہیں پڑے گا۔" وہ یوں مزے سے بیٹھا تھا کہ جیسے کوئی اور مصیبت میں اٹکا ہوا تھا۔

"کوئی تدارک ہونا تو چاہیے ورنہ کوئی بھی جب چاہے تمہیں مشکلات میں لے جا کر کھڑا کر سکتا ہے۔" شہریار علی جواد کی چمکتی آنکھیں ڈاکٹر راشد پر جم گئی تھیں۔

"کسی میں ہمت نہیں کہ کوئی شہریار علی جواد کو دھوکہ دے سکے' وہ تو ہم جان کر کھا لیتے ہیں ماتیں اکثر۔"

"مسٹر سلمان آفندی کے اکاؤنٹ میں جو ایک خطیر رقم جمع ہوئی ہے اور جس طرح انہوں نے بتائے بغیر استعفیٰ دیا ہے ہم اس کو تو عدالت میں ثابت کر سکتے ہیں یہ کھلا فراڈ ہے شہریار۔" جازی نے سمجھانے کی کوشش کی اور شہریار جازی کو دیکھ کر پھر سے مسکرایا۔

"مسٹر سلمان آفندی کے خلاف کیس کرنے کا مطلب ہے میں اس لٹل ڈول کو بھی مصیبت میں مبتلا کر دوں۔"

"لٹل ڈول۔۔۔ یہ کون ہے۔" جازی کے کان کھڑے ہوئے تھے۔ راشد کیانی نے بے زاری سے کندھے اچکائے تھے۔

"میں خود نہیں جانتا اسے شرلاک ہومز اور 007 سے ملا رہا ہے کب سے۔"

"اگاتھا کرسٹی ہے وہ میری' اتنی ذہین اتنی معصوم سی۔" اس بار بھی اس کے لہجے میں محبت کم نہیں ہوئی تھی بڑھ گئی تھی۔

"آپ کو اس نے دھوکہ دیا ہے آپ کو اس پر غصہ نہیں۔"

"پہلے جب تک پتا نہیں تھا یہ دھوکہ کس نے دیا تب تک الجھن بھی تھی غصہ بھی مگر جب سے پتا چلا ہے یہ اس کی شرارت ہے تو الجھن تو باقی ہے مگر غصہ نہیں آ رہا۔" رک کر ڈاکٹر راشد کو دیکھ کر بولا۔

"پلیز کھور یں نہیں اب مجھے غصہ نہیں آ رہا تو میں کیا کروں یار انکل۔" یکدم بولتے ہوئے اس نے سر کو جھٹکا تھا۔

"تم ٹھیک ہو۔" ڈاکٹر راشد تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے۔ اس نے صوفے کا سہارا لینے کی کوشش کی مگر وہ گر چکا تھا۔

"اسے آریسٹ کروانا چاہیے جتنا جلدی ہو سکے لیکن یہ ان چکروں میں پھنس گیا تو اور دیر ہو جائے گی۔" وہ گھبرا کر ایمبولینس کال کر رہے تھے ملازمین میں کھلبلی مچ گئی تھی دادو پاگلوں کی طرح دوڑی آئی تھیں۔

"کیا ہو گیا ہے اسے۔۔۔" جازی نے افسوس سے عائشہ بیگم کو دیکھا تھا۔

"ایسے مت دیکھو میرا بیٹا بالکل ٹھیک ہو جائے گا بالکل ٹھیک سمجھے نا' وہ ہسٹریک ہو گئی تھیں ڈاکٹر راشد انہیں بھی سنبھال رہے تھے۔

"آپ تو بہت حوصلہ مند ہیں آنٹی۔"

"یہ میری خوبی ہے یا میری سزا۔"

"خوبی! وہ اپنے نیک بندوں کو سزا نہیں دیتا بس آزماتا ہے۔" وہ ان کا ہاتھ سہلا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

جازی ہسپتال میں کھڑا تھا ڈاکٹر اسے ایمرجنسی میں لے گئے تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ سمندر کے دو کنارے کیسے ایک دوسرے میں ضم کر لے کر سو کوس کھڑے دل ایک دوسرے سے مل جائیں۔ اس نے فون اٹھایا تھا۔

"ہیلو ایمان اسپیکنگ۔"

"نام نہیں دیکھا آج۔" دوسری طرف چونکتا لہجہ تھا۔

"سوری جازی بھیا کمپیوٹر پر تھی اس لیے نام دیکھے بغیر اٹھا لیا' آپ سنائیں آپ کہاں ہیں۔"

"ہسپتال میں۔۔۔"

"ہسپتال۔" دوسری طرف چیخ بلند ہوئی۔
"کون سے ہسپتال میں' کیوں ہیں کہاں ہیں کیسے ہیں۔" جازی اسی طرح پرسکون تھا۔
"تم یہاں آسکتی ہو۔" وہ ہسپتال کا ایڈریس سمجھا رہا تھا' پندرہ منٹ بعد وہ اس کے سامنے تھی۔
"آپ تو؟ مجھے تو آپ ٹھیک لگ رہے ہیں بھیا۔"
"میں ٹھیک ہوں بس ایک اور شخص سے ملوانا تھا تمہیں۔" وہ وی آئی پی روم میں شفٹ کردیا گیا تھا' اس نے شیشے کے پار سے دیکھا اور کرنٹ لگنے کے انداز میں واپس پلٹی تھی۔
"انہیں انہیں کیا ہوا ہے۔" بے قراری چھپانے کے باوجود اُمڈ آئی تھی۔
"یہ بیمار ہے' بہت نازک حالت میں ہے انکل راشد نے مجھے اس لیے پاکستان بلایا ہے تاکہ میں تمہیں اس سے متعارف کرواسکوں' تاکہ وہ اپنی وصیت تیار کرواسکے۔"
"وصیت۔" اس نے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔
"اسے گمان تھا اس شخص کی ہر تکلیف پر وہ قہقہہ لگا کر انجوائے کرے گی مگر یہاں وہ تکلیف میں تھا اور دل اس سے بغاوت کرکے اس شخص کے سرہانے جا کھڑا ہوا تھا۔
"میں یہ بات جانتی ہوں۔"
"کیا تم جانتی ہو وہ مرنے والا ہے۔"
"خاموش ہوجائیں خدا کے لیے خاموش ہوجائیں۔ جازی بھائی' وہ میرا بھائی ہے اس کے لیے تو ایسا نہ بولیں۔" اس کو پتا بھی نہیں چلا تھا اور اس کی آنکھیں جل تھل ہوگئی تھیں۔
"پھر تم کیا جانتی تھیں۔" جازی حیران ہوکر اسے دیکھ رہا تھا۔
"یہی کہ وہ علی جواد کا بیٹا ہے اور میرا بھائی ہے۔" جازی نے یکدم اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔
"کیا وہ لڑکی تم ہو جس نے اس کے ساتھ فراڈ کیا ہے۔" ایمان صفورا کی آنکھیں شرمندہ ہوکر اس شخص کے قدموں میں بیٹھ گئیں۔

"کیا وہ جانتا ہے کہ تم اس کی بہن ہو۔" اگلا سوال ہوا۔
"نہیں مگر وہ چاہتا ہے کہ میں اسے ایک بار پورے دل سے بھائی کہہ کر بلاؤں؟" جازی کا چہرہ یکدم سپاٹ ہوگیا' ایمان نے پلٹ کر دیکھا تھا ڈاکٹر راشد اور عائشہ سامنے کھڑے تھے' عائشہ خاتون نے اسے چھونا چاہا مگر وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی' پھر ساحل پر مصروف گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اس نے شاہ میر کا نمبر ملایا تھا۔
"تمہیں کیا لگتا ہے کیا میں نے ہمیشہ خسارے کے سودے کیے ہیں۔"
"نہیں لیکن پھر بھی کچھ ضرور۔"
"تمہیں کیا لگتا ہے میں احمق ہوں یا بے وقوف لڑکی۔"
"تم احمق ہو' نہ بے وقوف اور نہ ہی لڑکی۔" ترنت جواب آیا۔
"شاہ میر میں مذاق نہیں کررہی اس وقت میں بہت اونچائی سے نیچے گری ہوں مجھے خود کو ترتیب دینا مشکل ہوگیا ہے۔"
"کافی پیو گی۔" اتنا سرسری سا جواب سن کر وہ چڑی تھی نہ اس نے موبائل باہر پھینکا تھا خاموشی سے اپنی گاڑی کو یوٹرن دے کر چل پڑی تھی پھر وہ ٹیرس پر کھڑی کافی کا کپ لیے اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔
"تمہیں لگتا ہے کیا میں یہاں کافی پینے چلی آئی ہوں۔"
"نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں اس سے اچھی بلیک کافی تمہارے کچن میں موجود ہے۔"
"پھر تم بتاؤ میں یہاں کیوں آئی ہوں۔"
"جب تم غلطی کرتی ہو تو اکثر تمہیں میں ہی یاد آتا ہوں بتاؤ کیا غلطی کی ہے نئی۔" اس کی آنکھوں میں جو سے نم تیرنے لگا تھا۔
"جازی بھائی کہہ رہے ہیں وہ مرنے والا ہے۔"
"کون مرنے والا ہے' پھر کوئی فلاحی دورہ؟"
"نہیں' نہیں' شہریار علی جواد۔۔۔ وہی جسے تم

آسمان سے زمین پر لا پٹخا۔"
"تو پھر تو داد دینی چاہیے۔ کیونکہ تم کامیاب رہی ہو۔" کافی کا سپ لے کر وہ نارمل تھا اور وہ چڑ گئی تھی۔
"شاہ میر! تمہیں کسی بات سے فرق پڑتا ہے۔" وہ خفگی سے بولی۔
"مجھے لگتا ہے اگر میں کہوں' میں کل مرنے والی ہوں تم پھر بھی اسی انداز میں کافی پیتے رہو گے۔"
"نہیں اگر میرا موڈ ڈرامہ کرنے کا ہوا تو میں ضرور دو چار آنسو بہا کر کالی شال اوڑھ کر سڑکوں کی خاک چھانوں گا تاکہ لوگوں کو پتا چلے اب بھی مجنوں کی نسل زندہ ہے۔"
"مجھے لگتا ہے میں نے یہاں آکر غلطی کی ہے۔" اس نے کپ ٹرے میں واپس رکھ دیا تھا۔ وہ جانے لگی تھی جب شاہ میر نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔
"خفا ہو کر تم اور پیاری لگتی ہو۔"
"شاہ میر وہ میرا بھائی ہے اور وہ مرنے والا ہے تمہیں کچھ سمجھ آرہا ہے۔" شاہ میر نے کرنٹ لگنے کی رفتار سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔
"وہ تمہارا بھائی تھا اور تم نے پھر بھی اسے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" حیرت زدہ وہ اسے دیکھ رہا تھا اور اس کا چہرہ پہلی بار شرمندگی سے عرق آلود ہوا۔
"وہ جانتا تھا تم اسے تباہ کررہی ہو مگر وہ پھر بھی تباہ ہوتا رہا۔" دل نے اسے کٹہرے میں لاکر کھڑا کردیا تھا مگر ہائے وہ اس کے اندر کی نفرت۔
وہ پتا نہیں کب تک جاگتی رہی اور پھر فجر کا وقت تھا جب وہ ہاسپٹل میں اس کے کمرے کے باہر کھڑی تھی' پھر چند سیکنڈ بعد وہ اس کے بیڈ کے پاس کھڑی حیرت سے خود کو دیکھ رہی تھی۔
"مجھے تم سے نفرت ہے شدید نفرت۔" مگر اس کے ہاتھ شہریار علی جواد کے رخسار کو چھو رہے تھے۔
"آنکھیں کھولو نا بھائی ایسے نہیں کرتے' لڑائی کرنے جھگڑنے میں' جو مزا ہے وہ ایک دم سے گیم الٹ دینے میں نہیں۔" اس نے شہریار علی جواد کی پیشانی کو بوسہ دیا تھا اور تبھی شہریار کی حیرت بھری آنکھیں اس پر جم گئی تھیں۔
"امی۔" اس کے لب کانپے نقاہت بہت زیادہ تھی' وہ یکدم اپنے خول میں بند ہونا چاہتی تھی مگر شہریار علی جواد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔
"اولٹل ڈول اب کہیں نہیں جانے دوں گا تمہیں' کتنے دن سے چھپی ہوئی تھیں تم۔"
"میں کوئی ڈاکو ہوں یا لٹیری۔۔۔ جو چھپوں گی۔" وہ لڑنے لگی تھی اور وہ ہنس پڑا تھا۔
"کام تو اگاتھا کرسٹی کے ناول کی ہیروئن جیسا ہی کیا۔ حرکتیں' کسی لٹیرے سے کم بھی نہیں تمہاری۔"
"مجھے جانا ہے۔" اس نے ہاتھ چھڑایا تھا اور شہریار علی جواد نے چونک کر دیکھا تھا۔
"یہ اچانک تمہیں مجھ پر اتنا لاڈ کیوں آرہا تھا آج؟"
"بس ایسے ہی رات بھر سوئی نہیں تو شاید دماغ خراب ہوگیا تھا۔"
"ہاہاہا۔" وہ ہنس رہا تھا' پھر نرمی سے بولا۔
"تمہاری کلائیوں میں چوڑیاں کیوں نہیں۔" بے تکا سوال بقول ایمان صفورا کے۔
"چوڑیاں' ہتھکڑی کا نشان ہیں اور مجھے قید کسی بھی طرح کی ہو قبول نہیں۔" اس نے اس کی بالوں کی لٹ کو کھینچا تھا۔
"تم میری گڑیا ہو اور میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔" دھک دھک کرتا دل یکدم شور کرنے لگا دروازہ کھلنے کی آواز پر شہریار نے چونک کر دیکھا' صبا حمزہ کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع تھا۔
"میں شاید غلط وقت پر آگئی۔" وہ شرمندہ سی ہونے لگی شہریار علی جواد نے مسکرا کے دیکھا۔
"نہیں' نہیں' تم بالکل ٹھیک وقت پر آئی ہو اپنی اکلوتی نند سے ملو مگر یاد رہے یہ اگاتھا کرسٹی ہے میری۔" صبا حمزہ کی نم آنکھوں میں مسکراہٹ کے کنول کھل اٹھے تھے۔

☼ ☼ ☼

وہ ٹھیک ہو گیا تھا مگر ایمان صفورا اب اس سے رابطے میں نہیں تھی وہ نہ اس کا فون اٹھا رہی تھی' نہ ہی گھر پر مل رہی تھی وہ ایک دم پھر سے تناؤ کا شکار ہو گیا تھا اور آج اس نے اس تناؤ میں جوہی حماد کو پک کر لیا تھا' وہ اپنے نئے لوافیئر میں مگن تھی اور ایک آرٹ روم میں بیٹھی اپنا مجسمہ بنوا رہی تھی۔

"تم تھکتی نہیں۔" جوہی حماد کا قہقہہ کار میں گونجنے لگا۔

"بے وقوف بننے میں دل کی تھکن بھی ہے دکھ بھی مگر بے وقوف بنانے میں نہ تھکن ہے نہ دکھ میں تو انجوائے کر رہی تھی اسے۔"

"مگر مجھے لگتا ہے وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے کتنی لو دیتی آنکھیں تھیں جو تم پر جما کر بیٹھا تھا۔"

"جسٹ ٹائم پاس یار' اسے ہر ہفتے اسی طرح محبت کے دورے پڑتے ہیں وہ آرٹ میں ایک نئی جہت دریافت کرنا چاہتا ہے جس میں خسارہ نہ ہو وہ ہماری کلاس میں موو کرنے کے لیے ہماری کمیونٹی کی لڑکیوں کو استعمال کرتا ہے تاکہ اسے کوئی اچھا موقع مل سکے۔" "نہ وہ عاشق نہ مجھے محبوب بننے کا سودا۔"

"جوہی کبھی تمہارا دل نہیں چاہتا تم بھی محبت کی مدھ چکھو۔"

جوہی حماد نے پرس سے ہارڈ ڈرنک کی بوتل برآمد کی تھی اور ہونٹوں سے لگا کر وہ جیسے اس کے سوال سے بچ رہی تھی۔

"جوہی۔" شہریار علی جواد نے پھر سے پکارا تھا اور جوہی حماد کی آنکھیں نشے میں مخمور ہو گئی تھیں مگر یہ ہارڈ ڈرنک کا نشہ نہیں تھا۔

"محبت! ایک بار جس نے اس کی مدھ دل سے چکھ لی پھر اس کے ہونٹ پیاسے ہوں تو بھی پیاس وجود کو جلاتی نہیں بارش کی ہلکی تیز بوندوں میں بھگوئی رہتی ہے اور میں سر سے پیر تک اس بارش میں بھیگ چکی ہوں' مجھے جو چاہیے تھا وہ لے لیا میرا دل رنگ دیا اس محبت نے اب باقی ہاؤ ہو تو دنیا دکھاوا ہے صرف جسٹ کڈنگ یار۔"

"یہاں ایک اچھا پشاوری ہوٹل ہے آج یاں ڈنر کریں۔" وہ سوال کر رہی تھی نہ تجویز دے رہی تھی صرف حکم دے رہی تھی اور شہریار نے سر ہلا کر گاڑی اس کے بتائے گئے راستوں پر ڈال دی تھی۔

پھر وہ اپنی زندگی کا سب سے عجیب ڈنر کر رہا تھا۔ مزے سے نہاری کی پلیٹ میں ہری مرچوں براؤن پیاز اور ادرک کی گارنش کر رہی تھی۔

"اتنا روغنی اور مرچ مسالے والا....." وہ ڈر رہا تھا مگر پھر بھی اس نے اسٹارٹ لیا تھا اور پھر اس کی تعریفیں تھیں کہ تھمنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔

"آئس کریم کھاؤ گے۔" وہ آئس کریم کا آرڈر دے رہی تھی' جب اچانک کسی نے آکر اس کی کرسی کو ٹھوکر ماری تھی۔

"تم..... عورت ہو یا....." سامنے کھڑا شخص غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

"میں سمجھتا تھا شاید کسی نے آج تک تمہیں سمجھا ہی نہیں میں' تمہیں سمجھوں گا' میں محبت دوں گا مگر تم محبت کے قابل ہو ہی نہیں۔" شہریار کا چہرہ شدید غصے سے تن گیا تھا اور وہ یکدم کھڑی ہو گئی تھی۔

"تم مجھے محبت دو گے تم؟ کیا تم جانتے ہو محبت کیا۔"

"جوہی حماد یو آر آ....." سامنے کھڑے شخص نے ایک اور گالی دی تھی' جوہی حماد نے رنگ اس کے منہ پر دے ماری تھی اور سامنے کھڑے شخص کا غصے سے برا حال ہو گیا' اس نے جوہی حماد کے شیگی کٹ بال مٹھی میں پکڑ لیے تھے۔

"تجھ جیسی عورت سے شادی کرنے سے بہتر ہے میں کوئی کتا پال لوں' وفادار تو رہے گا۔" شہریار کھڑا نہیں ہو پایا تھا کہ ایک اسمارٹ سے نوجوان نے اس شخص کو گھسیٹ لیا اور پھر ذرا سی دیر میں وہ بری طریقے سے پٹ رہا تھا اور جوہی حماد اس کے کان میں بولی تھی۔

"محبت ایک خاموش عہد ہے ہم ہزاروں کے بیچ ہوں' لاکھوں کے ساتھ کھڑے ہوں مگر ایک بار دل جس کے ساتھ سچے دل سے نکاح کر لے پھر مڑتا نہیں چاہے کتنی لمبی جدائیاں آ جائیں' دل نہیں مڑتا۔" شہریار علی جواد نے غصے میں بھرے ہوئے اس شخص کو غور سے دیکھا تھا۔

"جوہی حماد اس شخص سے محبت کرتی تھی جو اس کی زندگی سے بھلے نکل گیا تھا مگر آج بھی اس کی عزت کے لیے امارت سے ٹکرا سکتا تھا مار سکتا تھا اس کے لیے مر سکتا تھا۔"

"تم بہت خوش نصیب ہو۔" اس نے دل کی پوری خوشی سے اسے تمغہ دیا تھا۔

"اتنی محبت کرتے ہو شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"ہماری زندگی ایک دوسرے کے نام ہے۔" جوہی حماد نے اپنے دوپٹہ سے اس کا پسینہ صاف کیا تھا' ہزار طرح کے چہرے تھے ہزار طرح کے ایکسپریشن مگر جوہی کو فرق پڑتا تھا نہ اسے۔

"پتا نہیں کیوں آج تم بہت یاد آئی تھیں تبھی مجھے یہ پشاوری ہوٹل یاد آ گیا' میرے دل نے کہا چلو' تمہارے دل نے کہا آؤ۔ میں یہاں آیا تو بس قابو نہیں رکھ سکا اور۔" وہ چپ ہو گیا تھا' جوہی حماد اس کے ہونٹ کے خون کو بیگ سے ٹشو نکال کر صاف کر رہی تھی۔

"میں چلوں جوہی۔"

جوہی حماد نے نہ کی نہ ہاں' وہ تو سامنے بیٹھے اپنے محبوب کے چہرے کا طواف کر رہی تھی اس محبوب کا جسے بقول اسے وہ کبھی یاد نہیں کرتی' شہریار جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا تب وہ پلٹی تھی۔

"تم نے کہا تھا وہ تمہیں یاد نہیں آتا۔"

"ہاں یہ مجھے کبھی یاد نہیں آتا کیونکہ یہ میرے ورد کرتے دل سے ایک لمحے کے لیے قضا نہیں ہوتا۔"

"تم نے واقعی اسے اپنے بابا کی دی گئی آسائشات کے لیے چھوڑ دیا جوہی۔" وہ ٹیبل پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا جھکا تھا اور سامنے بیٹھا نوجوان مسکرانے لگا۔

"یہ ہمیشہ جھوٹ بولتی ہے مجھ سے بھی خود سے بھی لوگوں سے بھی' اگر اسے آسائشوں اور آرام کی ضرورت ہوتی تو یہ اپنے ہی باپ کی کمپنی میں ایک عام سے ملازم کی طرح سیلری پر ملازمت نہیں کر رہی ہوتی۔" شہریار علی اس کی طرف متوجہ تھا۔

"پاپا نے کہا تھا تمہارے پاس دو راستے ہیں یا تو اسے چھوڑ دو یا پھر اسے راضی کرو کہ وہ ہمارے گھر کا چوکیدار بن کر رہے' میں نے کہا! ارحم گیلانی تم پڑھے لکھے ہو' خوب صورت ہو ذہین ہو آج نہیں تو دس سال بعد اس سیڑھی پر کھڑے ہو سکتے ہو جہاں سے کھڑے ہو کر میرے پاپا تمہارے گلے میں پٹا ڈالنا چاہتے ہیں وہ ایک عام سی چال چل کر ایک ذہین شخص کو اپنا محکوم بنانا چاہتے ہیں وہ تمہاری قوت پرواز کے پر کاٹ کر تمہیں پنجرے میں ڈال دینا چاہتے ہیں اور میں جو تم سے محبت کا دعوا کرتی ہوں میں بھی نہیں چاہوں گی کہ تم محبت کی بجائے محبت کے یرغمالی کے طور پر میرے گھر کی دیواروں سے سر ٹکراؤ اور پندرہ بیس سال بعد تمہیں اس لمحے سے نفرت ہو جائے جس لمحے تمہارے دل نے مجھ سے چاہت کی تمنا کی ہے۔ محبت سے بچھڑ کر جیا جا سکتا ہے محبت کے مر جانے کے بعد زندگی جینا بہت مشکل ہے شہریار۔"

☼ ☼ ☼

وہ خاموش بیٹھی تھی تبھی رخشی نے اس کا کندھا ہلایا تھا۔

"تو سو رہی ہے یا کچھ سوچ رہی ہے۔" رخشی نے اب کی بار جھٹے کا منہ اپنی طرف موڑا بھی تھا۔

"پتا نہیں رخشی عجیب سا لگ رہا ہے مدتیں ہو گئی ہیں سکون ملے ہوئے اب پتا نہیں چلتا زندہ ہوں یا مر گئی ہوں۔" رخشی ہنس پڑی تھی۔

"میری جھلی ماں' سکون ہے تو تو پریشان ہے۔ دکھوں سے بھاگتی تھی نا اب ابا کی مار نہیں ہے تو عجیب سا لگتا ہے تجھے۔"

"ہاں پتا نہیں رحیم الدین نے کچھ کھایا ہو گا یا نہیں

ڈیڑھ ماہ ہو گئے ہیں اس کو دیکھے ہوئے۔"

"ابا پہلے کون سا کھانا کھاتا تھا' اماں اسے بس نشہ چاہیے بس نشہ اور کوئی نہ کوئی اسے نشہ دے ہی رہا ہو گا۔"

"شہر کے حالات کتنے خراب ہیں۔ رخشی میرا دل ڈرتا ہے کہیں تیرا ابا۔"

جنتے کا دل کرلایا کہ رخشی محبت سے کوئی جملہ کہے گی مگر وہ مڑ کر سفاکی سے بولی تھی۔

"چار سال پہلے میں نے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ میرا باپ مر چکا ہے اور مجھے جو کچھ کرنا ہے اکیلا کرنا ہے۔"

جنتے نے منہ کھولے بیٹی کو دیکھا تھا پھر پتا نہیں رحیم الدین کی حمایت کیسے اس کے سر میں سما گئی تھی۔

"بڑے لوگوں کا کچھ پتا نہیں آج گھنے درخت کی چھاؤں ہیں تو کل دھوپ اگلتا آسمان' اپنا باپ اپنا گھر اپنا ہوتا ہے رخشی۔"

"میں نے کبھی کسی انسان کو اپنی زندگی سنوارنے کا اہل نہیں سمجھا سوائے اپنے رب کے میرا رب جب جسے چاہے میرے حق میں نرم کر دے میرے لیے سبب بنا دے انسان کچھ نہیں اماں امی باجی کہہ رہی تھیں کل 'انسان کچھ نہیں' وہ رب جسے چاہتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے حامی مددگار بنا دیتا ہے سو اگر ہم کسی کی بھلائی پر مامور کیے جائیں تو ہمیں اپنی ذات پر غرور نہیں کرنا چاہیے' بلکہ شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس کی بارگاہ نے ہمیں اس قابل سمجھا کہ اتنے سارے بندوں میں سے خاص ہمیں چنا کہ ہم لوگوں میں آسانیاں بانٹیں' لوگوں کی آسانی بنیں۔"

"تیرا اپنا دماغ پہلے کم خراب تھا کہ اب یہ تیری امی باجی نے اور بڑھانا شروع کر دیا ہے تجھے۔" رخشی نے خفگی سے ماں کو دیکھا پھر بولی۔

"رخشی' کچھ نہیں جانتی تھی مگر امی باجی نے مجھے جاننا سکھایا پڑھنا سکھایا اور امی باجی کہہ رہی تھیں وہ گرمیوں کی چھٹی ختم ہونے پر مجھے اور فاخر کو اسکول میں بھی داخل کروائیں گی۔"

"جو مرضی آئے کر تو اور تیری امی باجی' آگے کبھی میری مانی ہے تو نے جو اب مانے گی۔" جنتے گھر کی صفائی ستھرائی کے لیے اٹھ گئی تھی اور رخشی نے کتاب کو کھول کر پھر سے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے حیران ہو کر شہریار علی جواد کے ساتھ موجود عورت کو دیکھا۔

"یہ عورت' چالیس سال سے اوپر کی تھی مگر اپنی چال ڈھال سے تیس سے زیادہ کی نہیں لگ رہی تھی اور شہریار علی جواد کی آنکھوں کی دیوانگی۔

اس نے گاڑی پارک کی اور ہوٹل کے اندر داخل ہوئی' وہ ڈائننگ ہال کی بجائے اوپر کی سمت بڑھ رہا تھا' وہ ماہرانہ انداز میں ان دونوں کا پیچھا کر رہی تھی اور پھر وہ ان کے کمرے کے باہر کھڑی تھی اور ایک اور ان کی گفتگو سن کر حیرت کا جھٹکا لگا تھا اسے۔

"پلیز مما مجھ سے ناراض مت ہوں' مجھے خود نہیں پتا میں کیا چاہتا ہوں بس جہاں کوئی محبت سے بٹھا لیتا ہے بیٹھ جاتا ہوں جہاں چلنے کو کہتا ہے چل پڑتا ہوں' میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں ماضی میں کیا ہوا کیا نہیں بس مجھے یہ پتا ہے آپ میری ماما ہیں اور میں ان کی پوری خواہش کے باوجود آپ سے نفرت نہیں کر سکتا۔"

"تم نے اپنی وصیت تیار کروائی۔" اس عورت کا سفاک لہجہ سن کر اس کے پورے وجود میں آگ لگ گئی تھی۔

"میں نے وصیت کے چار حصے کیے ہیں ایک آپ کے نام' ایک صبا کے نام' ایک اس باربی ڈول کے نام اور دادو کے لیے' دادو کو زندگی جینے کے لیے اپنی جائیداد بہت ہے مگر میں چاہتا تھا اتنے سالوں کی بے ادبی کے بدلے میں اگر محبت سے کچھ ان کے نام کروں گا تو انہیں شاید اچھا لگے' شاید وہ مجھے معاف کر دیں۔" اب اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے مگر عورت رعونت سے چلا پڑی تھی۔

"تم ساری دنیا کے ٹھیکے دار ہو گیا' صرف میں تمہاری ماں ہوں تو تمہارے مرنے کے بعد تمہاری ساری جائیداد بھی مجھے ہی ملنی چاہیے۔"

"(وہ محبت کا بھوکا ہے محبت کے نام پر اب تک لٹتا آیا ہے مگر میں اب اسے اور بکھرتا نہیں دیکھ سکتی' بھلے تم اس سے محبت نہ کرو مگر اس کے ساتھ رہو وہ عورت بہت شاطر ہے وہ اپنی ممتا کے جال میں پھنسا کر پھر اسے منہ کے بل گرا دے گی پلیز ایمان' کچھ بھی ہے وہ تمہارا بھائی ہے' تمہاری نفرت بجا ہے مگر اس پر ترس کھاؤ' اسے اکیلا مت چھوڑو۔)"

وہ عائشہ خاتون کے جملوں کے اثر میں آ گئی تھی اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور شہریار علی جواد حیران رہ گیا تھا۔

"امی تم یہاں۔" وہ واقعی حیران تھا اور اس نے شہریار علی جواد کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"چلیں یہاں سے ابھی اور اسی وقت۔" ایمان صفورا نے پوری قوت سے اسے گھسیٹا تھا اور وہ خشک پتے کی طرح اس کے ساتھ چلتا چلا گیا تھا پھر کچھ دیر بعد وہ ساحل پر بیٹھی تھی۔

"آپ کو بہت شوق ہے نا کہ آپ کو مرنے کے بعد کوئی یاد کرے کوئی بہت ٹوٹ کر روئے' تو میں ہوں نا' میں آپ کو مرنے کے بعد یاد کر کر کے ساون کی طرح روؤں گی۔ اب بھی آپ کو محبت کی ہوک اس تھرڈ کلاس عورت کی طرف لے جائے گی شیری بھائی۔"

"بھائی۔" شہریار علی جواد کے چہرے پر یکدم خون کی گردش تیز ہو گئی تھی وہ قریب آ گیا پھر اس نے اس کی گود میں سر رکھ کر گہری سانس لی تھی۔

"ممتا کی اس گود سے لپٹی کتنی حسرتیں ہیں امی' جس نے مجھے کہاں کہاں نہیں پھرایا میں ان کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا تھا صرف مہرہ وہ مجھے جیسے چاہتی چلاتیں جیسے چاہتیں شہہ مات دیتیں مگر میں بے مزا نہیں ہوتا۔"

"کیا آپ کو کبھی ان سے نفرت ہو سکے گی۔" شہریار نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

"اگر تم کہو گی میں ان سے پھر کبھی نہیں ملوں گا مگر پلیز نفرت کرنے کی ضد مت کرنا' میں ماما سے نفرت نہیں کر سکتا۔" ایمان صفورا کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں اس نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنی شروع کر دی تھیں۔

"آپ کا دل بہت معصوم ہے مگر آپ ہیں پورے شیطان۔" وہ ہنس پڑا تھا۔

"تعریف کر رہی ہو یا ذلیل۔" اس بار وہ بھی ہنس پڑی تھی۔

"میری تعریف ایسی ہی ہوتی ہے اگر قبول ہو تو۔"

"سب قبول ہے تمہارے ہاتھوں سے زہر بھی پی لوں گا۔"

"آپ سے مجھے جتنی بھی چڑ ہے' نفرت ہے وہ اپنی جگہ مگر صبا بھابھی کے لیے میں چاہوں گی آپ بہت دیر تک سلامت رہیں۔"

"اور تمہارے لیے۔" وہ چپ رہی تھی مگر مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آفس کے معاملات سنبھال لیے۔" شہریار علی جواد یکدم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا' پھر خفگی سے بولا تھا۔

"تم نے اس قابل چھوڑے تھے کہ سنبھالے جائیں حالات۔"

"پھر کیا کریں گے کیس فائل کریں گے۔" وہ معصومیت سے دیکھنے لگی تھی۔

"تم مجھے پوری طرح کنگال کر دیتیں تب بھی تم پر تو میں کیس فائل نہیں کرتا۔"

"پھر کیا کریں گے۔"

"باہر ہی معاملات سدھارنے کی کوشش کروں گا۔" اس نے بیگ سے چیک بک نکال کر اس کی طرف بڑھا دی تھی۔

"میں نے پوری چیک بک سائن کر دی ہے آپ اماؤنٹ لکھ کر پے کر دیں۔" شہریار نے اس کی طرف مسکرا کے دیکھا پھر نرمی سے بولا۔

"یہ کام ہو گیا اچھا ہے میں سلمان آفندی کو کال کر لیتا ہوں وہ میری کمپنی کے اچھے ملازمین میں سے ہیں'

اس نے شہریار کو گھورا تھا۔

"بس کردیں وہ آپ کی کمپنی کے خفیہ کاروباری معاملات میں ید طولیٰ رکھتے ہیں کمیشن کھاتے رہے ہیں آپ کے بی ہاف پر' جتنا آپ کو کما کردیا ہے اس سے کہیں بڑھ کر انہوں نے کمیشن سے ایک اچھی خاصی رقم بینک میں رکھی ہوئی ہے' اسی وجہ سے وہ میرے اس کام میں میرا ساتھ دینے پر مجبور ہوگئے تھے میں نے ذرا صحافتی داؤ پیچ دکھادیے تھے تبھی اتنی بڑی پوسٹ پر ہو کر بھی انہوں نے چوں نہیں کی سو اب ہماری کمپنی کو ایسے دوغلے آدمی کی ضرورت نہیں۔" شہریار نے جھجک سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

کیا میں اپنی بہن کو پیار کرسکتا ہوں۔"

"بھائی ہو میرے حق ہے تمہیں۔" اس نے دل میں سوچا اور پورے حق سے اس کے سینے سے لگ گئی تھی۔ تب اس نے آہستگی سے پوچھا تھا۔

"تمہیں مجھ سے نفرت کیوں ہے۔" اور یکدم ایمان صفورا کے چہرے کی محبت جیسے اس سوال نے نوچ لی تھی۔

"گھر چلیں۔" وہ جواب گول کر گئی تھی۔

"ہاں چلتے ہیں آج کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گی' ہم صبا کو بھی بلالیتے ہیں۔" اس نے صرف سر ہلایا تھا اور گھر پہنچ کر وہ دونوں حیران رہ گئے تھے صبا حمزہ کچن میں ملازمین کے ساتھ پہلے سے مصروف تھی۔

"اچھا تو تبھی جناب ہماری کال ریسیو نہیں کر رہی تھیں میں بھی بولوں تو لفٹ کا بورڈ کیوں۔"

پھر بہت سارا اچھا وقت گزار کر وہ گھر لوٹی تو کمرے میں رکھی ڈائری نے سوال کیا۔

"تمہیں مجھ سے نفرت کیوں ہے یار۔" وہ ڈرتے ڈرتے ڈائری کی طرف بڑھی تھی۔

پھر پہلا صفحہ کھولا تھا اور لگا تھا ڈائری کے لفظ مجسم ہو کر اس کے قریب آن بیٹھے تھے۔

"پتا نہیں' مہر بانو سے مجھے محبت کا جو دکھ ہوا تھا اس میں میرے دل کی غلطی کتنی تھی اور میری کتنی' مگر مہر بانو کی طرف سے جب بھی ٹھکرایا گیا مجھے جس نے سنبھالا سنوارا' وہ صفورا تھیں' صفورا نے مجھے محبت سے محبت کرنا سکھائی میرے اندر جو محبت کی ندی کھاری ہو گئی تھی اسے صفورا نے اپنی محبت کی مٹھاس سے اور میٹھا کردیا' زندگی جینے کا مزا آنے لگا ہے۔" اس نے صفحہ پلٹا تحریر تھا۔

"صفورا کو دل رکھنا آتا ہے مجھے پتا نہیں چلتا میں ان سے شدید محبت کرتا ہوں یا وہ مگر یہ طے ہے اب صفورا کے بغیر میری زندگی کا کوئی تصور نہیں' اتنا میں نے کبھی مہر بانو کو نہیں سوچا جتنا میں نے صفورا کو سوچنا شروع کردیا ہے' صفورا کو سوچ کر بزنس کے معاملات طے کرنے آسان لگتے ہیں صفورا صرف بیوی ہی نہیں ایک دوست کی طرح میرا حوصلہ میری ہمت ہیں۔"

"میرے خواب' سب سچ ہوئے جب پہلی بار علی جواد کو میں نے راشد کے ساتھ دیکھا علی کا نرم لہجہ' مسکراتی باحیا آنکھیں ٹوٹ کر محبت کرنا اور محبت نبھانے کی عادت مجھے بہت پسند ہیں' میں نے شعور کی آنکھ کھولنے کے بعد جس محبت کے سانچے کو اپنے اردگرد سانس لیتے محسوس کیا علی اس پر پورے اترتے ہیں' وہ آج کے انسان نہیں ان میں آج کے مردوں والی کوئی بات نہیں وہ عہد نبھانا محبت کرنا جانتے ہیں انہوں نے مہر بانو اور میرے ساتھ توازن سے خود کو بانٹا ہے یہ بہت کم مرد کرپاتے ہیں' زیادہ تر مرد ناکام ہو جاتے ہیں مگر علی نہیں مجھے علی سے محبت نہیں عشق ہے اور وہ اس قابل ہیں بھی کہ ان سے عشق کیا جائے۔" وہ رونے لگی تھی۔

"ڈائری میری ہے مگر صفورا کی بے ایمانی دیکھو کیسے جھوٹ پر جھوٹ لکھے جاتی ہیں' میں نے پوچھا کیا واقعی ایسا ہے جیسا آپ نے میری ڈائری میں لکھا تو صاف مکر گئیں' ہنس کہنے لگیں۔

"کسی کالے چور نے لکھا ہوگا۔" میں نے ان کا چوڑیوں سے بھرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"کالے چور نے یا کسی پری نے۔" وہ ہنسنے لگیں' اس لمحے میری دعا تھی' میرے دل کی بھی کہ صفورا ہمیشہ میرے ساتھ ایسے ہی کھلکھلاتی رہیں کچھ لوگ

ہنستے ہوئے بہت اچھے لگتے ہیں نا۔"

اسے لگا اس کا سانس رک جائے گا۔

"او گاڈ' آج میں نے جو سنا اس کے بعد میرا بس نہیں چلتا میں پوری دنیا کو بتادوں کہ میں ایک بیٹی کا پاپا بننے والا ہوں۔ شہریار کی دفعہ میں ایسی خوشی نہیں تھی۔ مگر بیٹی کی خوشخبری نے میرے اندر خوشیوں کے قمقمے جلادیے ہیں میں اتنا طویل وقت کیسے گزاروں گا' صفورا کہتی ہیں آپ پاگل ہوگئے ہیں اور واقعی میں پاگل ہوگیا ہوں ہر وقت اپنی آنے والی بیٹی کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں وہ کیسی ہوگی اس کی آنکھیں مجھ پر جائیں گی یا صفورا پر' وہ ہنستی باتیں کرتی کیسی لگے گی' میرا دل چاہتا ہے میں اس کے لیے پوری دنیا خرید لوں پوری دنیا۔" ڈائری خاموش تھی اس نے ڈائری کو ہاتھ سے رکھ دیا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی' پھر بہت سارا رو چکی تھی جب حازی کمرے میں آیا تھا۔

"کبھی کبھی ہم کسی نفرت یا محبت کو مخصوص زاویے سے دیکھ کر خود ہی اس کی خوبیوں اور خامیوں کا خاکہ بنا لیتے ہیں۔

میں نے تمہیں ڈائری اس لیے دی تاکہ تمہیں پتا چلے علی انکل نے جتنا تم سے محبت کی اتنی کبھی شہریار سے نہیں کی' تمہیں محبت کے نام پر زندگی ہزار ہا رشتے دے کر سنبھال کر رکھا مگر کبھی تم نے اس کا سوچا ہے وہ کتنا اکیلا رہا ہے' اتنا اکیلا کہ زہر کو بھی بخوشی امرت سمجھ کر پیتا رہا' اتنا کہ اسے محبت کی حاجت بھی ختم ہو گئی اور محبت کی تمیز بھی' جبران کہتا ہے انسان' جگنو اور سورج کو دیکھ کر ہی دونوں کی روشنی میں تمیز کرتا ہے اسے نہ جگنو ملا نہ سورج۔

دادو محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھیں مگر اس نے ان کی قدر نہیں کی اور مہر بانو کی آنکھ سے دنیا کو دیکھتا رہا' سو میں چاہتا ہوں اسے تم سمیٹ لو۔"

☆ ☆ ☆

وہ تیار ہو رہی تھی جب بہت حیرت سے اس نے جنتے کو دیکھا تھا۔

"خیر ہے اتنی سست کیوں ہو رہی ہو۔ مایوس بھی لگ رہی ہو۔" وہ اس کو ٹٹولنے لگی تھی۔

"میرا مرنے کا دل چاہ رہا ہے' میرا کوئی مصرف نہیں سارے کام رخشی کرنے لگی ہے مجھے کچھ کرنے بھی نہیں دیتی فاخر کو بھی ماں کی طرح اس نے سنبھال لیا ہے۔"

"تو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہیں اتنی ہونہار بیٹی ملی ہے تمہیں پوری طرح سکھ دینا چاہتی ہے۔"

"مجھے ایسا سکھ نہیں چاہیے ٹھنڈا ٹھار سکھ کہ بندے کو پتا بھی نہ چلے وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔"

"کہیں مل آؤ کسی سے' کسی سے ملنا چاہتی ہو۔" اس نے پانچ سو کا نوٹ اس کی طرف بڑھایا۔ اور جنتے کے چہرے پر زندگی نظر آنے لگی۔

وہ گھر سے نکلا تھا تو ٹھیک حالات تھے مگر اب شام ہوتے ہوتے پورا شہر بند ہوگیا تھا' وہ ان راستوں سے گزر رہا تھا جہاں کبھی اس نے جانے کا' سفر کرنے کا سوچا بھی نہیں تھا۔

بار بار کالز آرہی تھیں کبھی دادو' کی کبھی صبا حمزہ کی' کبھی ایمان صفورا کی۔

اپنی وقعت کے احساس نے اسے سرشار کردیا تھا۔ یکدم نئی کال پر اس نے فون ریسیو کرلیا تھا۔

"جی فرمایئے۔"

"تم نے اس چالاک لڑکی کو دھکے دے کر اپنی زندگی سے نکالا ہے یا نہیں۔"

"پلیز ماما' وہ میری بہن ہے اور میں اس کے لیے کوئی غلط بات نہیں سن سکتا۔"

"شہریار علی جواد' بہن کب سے بنانے لگا۔ کہیں یہ بھی دل پشوری کی کوئی نئی راہ تو نہیں۔"

"پلیز مام اگر کسی کا ماضی برا ہے تو کیا ضروری ہے وہ ایک اچھا حال" یکدم کوئی اچانک اس کی گاڑی کے سامنے آیا اور اسے گاڑی روکنی پڑی۔ اس نے موبائل ڈس کنکٹ کر کے شیشہ نیچے کیا تھا اور سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ پریشان ہوگیا تھا۔ اس کی

گاڑی کی پوری تلاشی لی جا رہی تھی' گن اس پر تنی ہوئی تھی۔ وہ برے طریقے سے پھنس گیا تھا' ایک عورت کھینچ کر اس کے سامنے لائی گئی تھی۔

"عورتوں کے ساتھ رحم دلی سے پیش آنے کا حکم ہے ہمارے اسلام میں۔"

"ہم یہاں تبلیغ سننے جمع نہیں ہوئے چل گھڑی اتار بہت مال دار پارٹی لگ رہی ہے تو۔" کسی نے عورت کا دوپٹہ کھینچا تھا اور شہریار علی جواد کا سارا ڈر یکدم ختم ہو گیا تھا۔

"چھوڑو اسے' اس سے تمہیں کیا ملے گا ایک غریب عورت ہے وہ۔"

"ہاہاہا.... اس سے ہی تو بہت کچھ ملے گا وہ عورت ہے مگر تو ان راستوں کا کھلاڑی نہیں لگتا' ابھی تیرے سامنے ہم وائیوا دیتے ہیں۔" شہریار علی جواد بے سوچے لڑ پڑا تھا وہ تینوں پر بھاری پڑ رہا تھا دو کو گرا چکا تھا جب تیسرے نے اس پر فائر کیا تھا' اس کا بدن لڑکھڑایا تھا۔

"تم کبھی بھی مر سکتے ہو اگر تم بچ گئے تو کوئی ضمانت نہیں کہ تم پہلے کی طرح جی سکو گے' ہو سکتا ہے تمہیں باقی زندگی بستر پر گزارنی پڑے۔" دوسری گولی نے اس کے بازو کو مغروب کیا تھا' تبھی پولیس سائرن کی آواز پر تینوں شرپسند بھاگنے لگے تھے عورت اس کے سرہانے بیٹھی رو رہی تھی۔

"اللہ جی میں کیا کروں صاحب آپ کے لیے۔"

اسے ہزاروں لوگ جانتے تھے لاکھوں جاننا چاہتے تھے کتنے لوگوں کے بیچ وہ ستارے کی طرح تھا' کچھ اس کی خوب صورتی سے متاثر تھے کچھ اس کی کامیابیوں سے کچھ صرف اس کی دولت کے شیدائی مگر یہ عورت ان میں سے کوئی بھی نہیں مگر یہ اسے رو رہی تھی اس کے لیے ہراساں تھی' موبائل اس سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر پڑا تھا وہ بج رہا تھا' عورت نے بھاگ کر اسے فون تھمایا تھا' اس نے کال ریسیو کی تھی اور جس کی آواز سنی تھی' وہ زندگی کی سب سے مدھر آواز تھی۔

"لٹل ڈول سارے ڈاکٹرز کی ساری پیش گوئیاں دھری رہ گئی ہیں۔"

"شیری بھائی کہاں ہیں آپ...."

"اس شہر کی کسی ویران سڑک پر' خون بہت تیزی سے بہہ رہا ہے' مجھے نہیں لگتا میں تمہیں اب دیکھ پاؤں گا۔" اس کی آواز ڈوب رہی تھی اور دوسری طرف ایمان صفورا کی چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا اس نے فون کسی اور کو منتقل کیا تھا۔

"تم کہاں ہو۔" شہریار علی جواد نے عورت کی طرف دیکھا۔

"ہم کہاں ہیں...." اور وہ جو سمجھتا تھا وہ اس شہر کی نبض سے واقف اس شہر کے ہر کونے کو جانتا ہے وہ لاعلم ایک ان پڑھ جاہل عورت سے پوچھ رہا تھا وہ کہاں ہے۔

"کیا میرے دل کے اندر ابھی تک کچھ باقی ہے جو میں اس مقام پر لے جا کر مارا گیا ہوں۔"

"ہم گرین ٹاؤن کی پہلی سڑک پر ہیں جی۔"

"گرین ٹاؤن...." اس کے لب کانپے وہ کتنے غلط راستے پر جا رہا تھا اس نے تو یوٹرن لیتا تھا' تو کیا اسے یہاں اس کی موت کھینچ کر لائی تھی...." وہ سوچے جا رہا تھا اور تبھی ایک ایمبولینس اس کے قریب آ کر رکی تھی پیرا میڈیکل اسٹاف اسے اسٹریچر پر لٹا رہا تھا۔ وہ عورت ایمبولینس میں اس کے ساتھ بیٹھی تھی کسی نے پوچھا تھا اور وہ بتا رہی تھی۔

"اگر یہ صاحب نہ ہوتے تو وہ مجھے مار دیتے وہ میری عزت لوٹ لیتے صاحب تو فرشتہ بن کر یہاں آئے ہیں میں اپنے شوہر کو ڈھونڈنے آئی تھی باجی فردوس کے گھر سے پتا چلا وہ تو پندرہ دن پہلے ہی مر گیا تھا۔ مگر مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں کچھ بھی تھا میرا جنا تھا وہ اس کی آخری رسومات بھی نہیں کر سکی میں۔" وہ عورت رو رہی تھی اور شہریار علی جواد آکسیجن کے زیر اثر سانس لیتے ہوئے پہلی بار اطمینان سے مسکرایا تھا۔

"یہ سزا نہیں ایک اور آزمائش تھی جو کچھ مجھ میں تبدیل ہوا اس تبدیلی کا امتحان کسوٹی لگائی گئی میں غلط راستے پہ نہیں آیا' مجھے اپنے سیدھے راستے کی طرف

جانے کے لیے ایک اور سخت امتحان سے گزار کر کندن ہو جانے والے لوگوں کی فہرست میں شامل کیا گیا۔"

"وہ ٹھیک ہیں پہلے سے بہتر ہیں۔" پیرا میڈیکل اسٹاف نے اس کے موبائل پر کسی کی کال ریسیو کی تھی ـــ ایمان صفورا ہی اس کے اسٹریچر کے ساتھ چل رہی تھی۔

"اگر مرنے کی کوشش بھی کی نا تو جان سے مار دوں گی آپ کو۔" وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"کچھ نہیں ہو گا آپ کے بھائی کو یہ بہت اسٹرانگ مین ہیں۔"

"سن لیا آپ نے ڈاکٹر کا جملہ اب تو بالکل بھی ڈرامہ نہیں کرنا ہے مرنے کا؟" پیرا میڈیکل اسٹاف کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تیرنے لگی تھی پھر چار گھنٹے بعد وہ وی آئی پی روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا' صبا حمزہ اس سے مل کر جا چکی تھی' ایمان اس کے سامنے بیٹھی تھی بالکل خاموش اور پھر ایک ہفتے بعد وہ بولی تھی۔

"آپ نے جنتے کو جس طرح بچایا مجھے آپ پر فخر ہے بھیا۔"

"کون جنتے...." وہ حیران ہوا۔

"وہی عورت جسے آپ نے اپنی جان پر کھیل کر بچایا' میرا بھائی ایسا ہی ہونا چاہیے تھا بہادر' نڈر اور بے خوف۔"

"وہ تو زبردستی انہوں نے اس سین میں مجھے گھسیٹ لیا تھا ورنہ خدمت خلق کرنے کا مجھے کوئی شوق نہیں۔"

"شہریار بھائی...." اس نے بے دھڑک اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے تھے' عین اسی وقت دروازہ کھلا تھا مہبانو سامنے کھڑی تھیں۔

"ہائے میرا بچہ۔" مصنوعی محبت' شہریار نے ایمان کو دیکھا تھا ایمان نے شہریار کو۔

"افسوس کہ شیری بھائی اس حادثے سے بھی بچ گئے دو گولیاں لگیں مگر مرے نہیں اور ان شاء اللہ دیکھیے گا' دماغ کی سرجری کے بعد بھی فٹ فاٹ ہو کر آئیں گے واپس پاکستان۔"

"تمہیں میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں میں تم جیسی لڑکیوں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں اس کی آنکھوں پر تو محبت کی پٹی چڑھی ہے صبا حمزہ اور تم دونوں مل کر جس طرح اسے لوٹ رہی ہو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"بس پھر شیری بھائی کے حق میں دعا کریں کہ آپ کا بیٹا لٹ لٹا کر کنگال ہو کر آپ کے در پر ہی نہ آ بیٹھے۔"

"میرے در پر کیوں آئے گا' مجھے کوئی انس نہیں خراب حالوں سے' عقل سے کام نہ لینے والوں کا میں ساتھ نہیں دیا کرتی۔"

"اچھا آپ عقل کسے کہتی ہیں کسی کی جیب سے پیسہ نکلوا لینا کسی کو لوٹ کر کسی کی زندگی خراب کر دینا اسی طرح جس طرح آپ نے میرے پاپا کی زندگی خراب کی' میری دادو کو جی بھر کر رلایا' میرے شیری بھائی کو ان حالوں پر پہنچایا' اگر آپ اسے عقل کہتی ہیں تو مجھے اپنے بے عقل ہونے کی بہت خوشی ہے۔" شہریار علی جواد کی ہارٹ بیٹ بڑھ رہی تھی اس کا مانیٹر شور کرنے لگا۔

"بس ڈرامائی ہیرو نہ بنیں۔" اس نے شہریار علی جواد کا ہاتھ تھام لیا تھا پھر مہبانو کو سنانے کو بولی تھی۔

"اگر شہریار بھائی مر بھی جاتے ہیں تب بھی ان کی جائیداد آپ کے نام نہیں ہو گی یہ ہم پاپا ماما کے نام بنائے جانے والے ٹرسٹ کو دے دیں گے شیری بھائی کو دولت کا لالچ ہے نہ مجھے سو میرے مرنے پر شہریار بھائی میری اس وصیت کا پاس رکھیں گے' اور ان کے مرنے پر میں اس وصیت کو نبھاؤں گی' ایک بات اور مہبانو' ایک دوسرے کو رونے کے لیے ہم دونوں کافی ہیں' ہمیں اپنے مرنے پر کرائے کے نوحہ گروں کی ضرورت نہیں۔"

"تو ہے کون یہ سب بکواس کرنے والی۔" مہبانو چڑ گئی تھیں۔

"میں مسٹر علی جواد کی دوسری بیوی صفورا جمال کی

بٹی ہوں' نام سے تو شاید آپ واقف ہوں گی نا۔"

"صفورا! مجھے پتا تھا وہ بے وفائی کر رہا ہے مگر کسی نے میری نہیں سنی شہریار تم نے دیکھا تمہارا باپ کتنا برا انسان تھا۔" وہ پلٹی تھیں مگر توجہ نہ ملنے پر کمرے سے جا چکی تھیں شہریار پوری طرح ایمان کی طرف متوجہ تھا۔

"تم میری بہن سگی بہن۔" اس نے ڈرپ والے ہاتھ سے اسے کھینچ کر سینے سے لگالیا تھا۔

"بس کردیں میری بہن سگی بہن کہتے ہوئے بالکل پرانی پاکستانی فلموں کے ہیرو لگ رہے ہیں۔" شہریار ہنس پڑا تھا۔

"اور تم ملکہ جذبات بن کر رو رہی ہو وہ کس کھاتے میں۔"

"واہ میں کیوں روؤں گی آج تو میری زندگی کی الجھنیں دور ہوئی ہیں۔" اس نے شہریار کے بال بگاڑ دیے تھے پھر آہستگی سے بولی تھی۔

"جب آپ کی کال آئی تب مجھے لگا آپ کی جگہ میں مرنے والی ہوں آپ کے بچھڑنے کا خیال بہت روح فرسا ہے شیری بھائی چند ماہ میں آپ بہت عزیز ہو گئے ہیں مجھے۔"

"تم جانتی تھیں یہ بات پہلے سے۔" اس نے اس کا کان مروڑا تھا۔

"اچھا تو یہ تھی نفرت کی وجہ اب سمجھا۔" ایمان کا قہقہہ بلند تھا۔

"شیری بھائی ابھی تو نیورو سرجن نے کاری گری بھی نہیں دکھائی اور آپ کے دماغی صلاحیتیں ابھی سے مرحوم۔"

"بدتمیز۔۔۔" اس نے ایمان کی پونی ٹیل کھینچی پھر نرمی سے بولا۔

"سب کچھ ٹھیک کہا مگر یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ پاپا نے دوسری شادی کر رکھی تھی۔" وہ شرارت سے ہنس پڑی تھی۔

"یہ باتیں آپ نہیں جانتے مگر میں عورت ہوں اس لیے مجھے پتا ہے ان کے لیے دنیا کی ہر بات غیر اہم ہو سکتی ہے مگر یہ خبر انہیں کبھی چین لینے نہیں دے گی کہ پاپا نے ان پر کسی اور کو ترجیح دی سوتن کا جلاپا ناقابل برداشت ہوتا ہے بس میں چاہتی ہوں اب ان کا ہر لمحہ اسی تکلیف میں گزرے۔"

"تکلیف دینا اچھی بات نہیں۔" شہریار نے پھر سمجھایا۔

"او بس۔۔۔ اب اور حمایت نہیں کریں ان کی جو تھوڑی بہت عزت کرتی ہوں نا وہ بھی اس لیے کرتی ہوں کہ انہوں نے آپ کو جنم دیا ہے بھلے مجبوری میں ہی سہی مگر اتنا کرنل اچھائی پیدا کرنے میں ساری زندگی ان کی شکر گزار رہوں گی۔"

"کیا واقعی تمہیں مجھ سے اتنی ہی محبت ہے۔"

"تو کیا' میں اب تک آپ کو کوئی فلم اسٹوری سنا رہی تھی۔" وہ چڑ گئی تھی اور اس نے اس کی پیشانی چوم کر اسے دعائیہ نظر سے دیکھا تھا۔

"تم جیسی بہنیں واقعی زندگی کا حاصل ہیں۔"

"اور صبا حمزہ جیسی بھابھی۔" وہ مزید شرارتی ہوئی۔

"زندگی کو زندگی بنانے کے لیے دونوں رشتے بہت ضروری ہیں۔"

"مگر میں نے سنا ہے شادی کے بعد صرف ایک رشتہ باقی رہ جاتا ہے۔"

"پاگل ہوتے ہیں وہ لوگ' جس طرح ہر مرض میں صرف کھانسی کا شربت نہیں پلایا جاسکتا اسی طرح ہر موڑ زندگی کے ہر مقام پر صرف بیوی کا رشتہ اہمیت کا حامل نہیں ہوتا' ماں' بہن' بیوی' بیٹی' یہ سب رشتے زندگی کو بڑھاوا دیتے ہیں اور اس کی خوب صورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔"

"واہ بڑی سمجھ آگئی ہے رشتوں کی آپ کو۔" محبت سے اسے دیکھا اور وہ ہنس پڑا تھا۔

"ابھی کہاں ابھی تو رشتے نبھانا' رشتے سمجھنا مجھے سیکھنا ہے' تم سے' صبا سے' دادو سے پھر شاید کچھ نہ کچھ آہی جائے گی زندگی کی سمجھ مجھے بھی۔"

"او کے آرام کریں آپ۔" وہ باہر آگئی تھی اور باہر شاہ میر کی کھوجتی آنکھیں اس کی منتظر تھیں۔

"ایک ہفتے سے تم جس طرح مجھے نظرانداز کر رہی ہو یہ میرے لیے تکلیف دہ ہے۔"

"اچھا مگر میں نے آپ سے قسمیں وعدے کب کیے تھے۔" وہ بلاوجہ اسے ستا رہی تھی۔

"کیا واقعی۔" اس نے کافی کا کپ واپس رکھ دیا تھا۔ وہ جا رہا تھا تبھی اس نے اس رات کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"ساری زندگی گزار سکتے ہیں میرے ساتھ؟ آپ کو پتا ہے میں آدھی پاگل ہوں۔"

"آدھی۔۔۔؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ تب اس نے اس کے کندھے پر مکے مارنے شروع کردیے تھے۔

ہوئے تم دوست جس کے
دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

آدھا شعر شاہ میر نے مکمل کیا تھا پھر وہ اس کے کندھے سے سر ٹکا کر بیٹھی جب شاہ میر نے اس کے رخسار کو چھوا تھا اس نے مخمور آنکھیں اس کے چہرے پر جمائی تھیں اور وہ گنگنانے لگا تھا۔

قیامت خیز ہیں آنکھیں تمہاری
تم آخر خواب کس کے دیکھتے ہو

"مجھے ڈراؤنے خواب دیکھنے کی عادت نہیں۔" صاف کورا جواب شاہ میر کو اچھو لگ گیا۔

"کیسی لڑکی ہو ذرا سی بھی نزاکت نہیں' حالات حاضرہ کے پروگرام کرتے کرتے حس لطیف سے عاری ہو گئی ہو۔"

"اچھا واقعی۔۔۔" اس نے ایسے دیکھا کہ شاہ میر پزل ہو گیا تھا اس نے اس کا چہرہ موڑ دیا تھا۔

"ایسے دیکھو گی تو تم بھی کام سے جاؤ گی میں بھی۔" وہ ہنس پڑی تھی زندگی پر اس ہنسی پر حق بنتا تھا اس کا کیوں کہ بہت سالوں اکیلی بیٹھ کر وہ بہت سارا اکیلا روئی بھی تھی۔

☆ ☆ ☆

عائشہ خاتون گارڈن میں بیٹھی تھیں جب کوئی ان

کے سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کون۔۔۔" وہ حیران ہوئی تھیں ملازم سامنے کھڑا تھا۔

"میں نے بہت منع کیا بیگم صاحبہ لیکن یہ صاحب انہوں نے میری ایک نہیں سنی۔" عائشہ خاتون نے ہاتھ کے اشارے سے ملازم کو جانے کا کہا تھا اور سامنے کھڑے شخص کو حیرت سے دیکھنے لگیں۔

"تمہاری شکل بہت دیکھی ہوئی لگتی ہے مگر میں تمہیں پہچان نہیں پا رہی تم خود بتا دو کون ہو۔" وہ شخص عائشہ خاتون کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

"میں رضوان ہوں آنٹی علی کا بزنس پارٹنر رضوان۔" رضوان کی آواز رو نکھی ہو گئی تھی عائشہ خاتون نے انہیں اپنے پیروں کو ہاتھ لگاتے دیکھا تو پیر پیچھے کر لیے۔

"بیٹا اوپر بیٹھو یہ جگہ تمہارے بیٹھنے کی نہیں۔" انہوں نے دل گیری سے عائشہ خاتون کو دیکھا تھا۔

"میں واقعی اس قابل نہیں کہ ان جنت کی طرف جاتے قدموں کو چھو سکوں میرے پاس کوئی نیکی نہیں کہ بخشا جاؤں مگر کل زندگی میں پہلی بار سجدہ کیا تو دل نے کہا مجھے آپ سے ملنا چاہیے میرے لیے جو سزا میرے رب نے تجویز کی اس سے انکار نہیں لیکن اگر میں یہ سچ آپ سے نہ کہوں گا تو مجھے لگتا ہے میرا ضمیر مجھے حرام موت کی طرف لے جا کر ہی چھوڑے گا۔"

"حرام موت۔۔۔" عائشہ خاتون نے حیرت سے دیکھا تھا اور وہ اور سر جھکا کر بولے۔

"علی ایک نیک انسان تھا نیک بیٹا تھا بہت ہی محبت کرنے والا شوہر تھا لیکن میں نے اور مہپانو نے مل کر اسے تباہ کر دیا اس کا اعتماد اس کی محبت سب چھین لی' اس دن وہ راستے میں تھا جب میں نے اسے فون کیا کہ وہ مہپانو کو طلاق دے دے۔ اس دن اس پر پہلی بار کھلا کہ اس کی سادگی اور معصومیت سے ہم دونوں نے خوب جی بھر کے کھیلا ہے وہ گم سم ہو گیا تھا وہ بھول گیا تھا کہ وہ ایک سڑک پر ایک تیز ترین سڑک پر ہے۔

آنٹی اس دن اس کی موت کو کچھ لوگوں نے دبے لفظوں سے خود کشی بھی کہا' مہپانو نے اس خیال کو اور تقویت دی اس بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا تاکہ وہ مجھ سے شادی کرے تو اسے شرمندگی محسوس نہ ہو' اس نے لوگوں کے سامنے علی کو ایک ناکام انسان ایک ناکام شوہر ثابت کیا حالانکہ اس نے اس کی انشورنس کی ساری رقم کھائی' آنٹی اس نے مجھے بھی علی کی طرح تباہ کر دیا وہ صرف دولت کی بھوکی ہے وہ نہ بیوی ہے' نہ بیٹی نہ ماں وہ صرف عورت ہے اور جب رشتوں کا بندھن ختم ہو کر کوئی عورت یا مرد بن جاتا ہے تا تو زندگی میں بڑی بڑی غلطیاں کر کے خود بھی تباہ ہوتا ہے دوسروں کو بھی تباہ کرتا ہے اس نے علی کو بھی تباہ کیا اس نے علی کو مار دیا آنٹی وہ خود کشی نہیں وہ قتل تھا' وہ حادثہ تھا جس کا سب سے بڑا ذمہ دار میں تھا میں۔" عائشہ خاتون کی آنکھوں میں پانی بھر گیا تھا۔

"اتنے سال سے جو میرے اندر بے چینی اور بے قراری تھی آج تم نے یہ کہہ کر اس زخم پر مرہم رکھ دیا ہے' تمہیں پتا ہے رضوان میں اتنے سالوں سے کبھی پوری نیند نہیں سوئی ہوں' میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے زمین آسمان ایک کر کے روتی رہتی ہوں کہ میرا علی میرے بغیر اگر نہیں رہ پاتا تو مجھے بھی اس کے بغیر چین اور سکون نہیں آتا' میرا دل کہتا تھا وہ خود کشی نہیں کر سکتا مگر حالات' حالات کہتے تھے وہ حرام موت مرا ہے اور بس یہ ہی کڑوا سچ مجھے جگائے رکھتا تھا کہ میرا علی میرے بغیر اور میں اپنے علی کے بغیر وہاں جنت میں کیسے رہوں گی' تم نے آج میرے دل سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا' میرے بچے کی قسمت میں موت ایسی ہی لکھی تھی' میں نے تمہیں اس کی موت معاف کی اللہ بھی تمہیں معاف کر دے۔"

رضوان احمد زمین آسمان ایک کر کے رونے لگے تھے انہیں نہ اپنی حیثیت کا احساس تھا نہ اپنی شخصیت کا وہ بس روئے جا رہے تھے۔

"وہ آپ کا ہی بیٹا تھا' آپ کی طرح اس کا دل بھی سمندر تھا' ہم لوگ تو کیڑے مکوڑے ہیں اس کے سامنے بس دنیا کو سب کچھ سمجھنے والے دنیا میں جینے والے وہ واقعی جنت کی روح تھی' ساری عمر میں علی کے لیے دعائیں کروں گا کہ میرا اللہ اسے بلند سے بلند مقام میں جگہ دے اپنی رحمت میں سمیٹ لے۔" وہ کھڑے ہو گئے تھے عائشہ خاتون انہیں جاتا دیکھ رہی تھیں پھر رات کو وہ پہلی بار علی کو یاد کر کے اس کی جدائی سے نہیں روئی تھیں علی جواد کی تصویر کو سینے پر رکھ کر لیٹی تھیں۔

"بس تھوڑا اور انتظار ہم بہت جلد ملیں گے علی۔ وہاں اس سے زیادہ اچھی اور معتبر جگہ پر۔" آج ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی وہ سو گئی تھیں پھر صبح ان کی آنکھ اچانک کھلی تھی وہ ان کے پاؤں پکڑ کر روئے جا رہا تھا' عائشہ خاتون کو تخیل نوائی کا ہر منظر یاد آ کر رہ گیا تھا۔

"معاف کر دیں دادو میں نے جس جس سے ممکن تھا معافی مانگ لی سب نے معاف کر دیا بس آپ سے جس دن معافی مانگنی تھی اس دن وہ حادثہ ہو گیا۔ اب لوٹا ہوں تو دیر ہونے سے پہلے چاہتا ہوں آپ بھی پورے دل سے مجھے معاف کر دیں' میں بہت برا سہی مگر ہوں تو آپ کا بیٹا' آپ کے علی جیسا۔" عائشہ خاتون نے کھینچ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"علی جیسا نہیں تم علی ہو تم میرے علی ہی ہو' اس زندگی کو جینے کا حوصلہ صرف تمہاری صورت دیکھ دیکھ کر کیا ورنہ علی کے بعد میری زندگی میں کچھ بچا ہی نہیں تھا۔" وہ اسے چومے جا رہی تھیں جب ایمان نے دخل اندازی کی تھی۔

"غلطی سے میں بھی علی ہوں مگر بس شہریار بھائی کی طرح گندی بچی نہیں۔" عائشہ خاتون ہنس پڑی تھیں انہوں نے دونوں کو سینے سے لگا لیا اور وہ شہریار کے کان میں گھس کر بولی تھی۔

"یہ رام لکھن کی جوڑی میلو ڈرامہ نہیں چل رہا۔"

"بدتمیز لڑکی۔" شہریار نے گھورا تھا اور وہ ڈرنے کی اداکاری کرتی عائشہ خاتون کے سینے سے لگ گئی تھی۔

"مجھے شیری بھائی سے زیادہ پیار چاہیے کیونکہ میں ابھی آئی ہوں اور یہ کافی عرصے تک اکلوتے ہونے کا مزا لوٹتے رہے ہیں۔"

عائشہ خاتون کچھ نہیں بولیں' مگر ان کے چہرے کا اطمینان بتاتا تھا کہ وہ زندگی کے دکھوں کو اس محبت کو پا کر بھولنے لگی تھیں۔

آج ان کا علی نہیں تھا ان کے پاس مگر ان کا احساس ان دونوں کی صورت ان کے پاس موجود تھا وہ بالکل کنگال نہیں ہوئی تھیں اور یہی خوشی سرخوشی بن کر ان کی آنکھوں سے جھانک رہی تھی۔

